نومبر ۲۰۰۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

فضیلت صیام و قیام رمضان

بزبانِ صاحب قرآن ﷺ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ، وَمَنْ قَامَ لَیْلَةَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

(رواہ البخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!''۔ (بخاری و مسلم)

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۱
شمارہ: ۱۱
رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
نومبر ۲۰۰۲ء
فی شمارہ ۱۲/-

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرونِ ملک	125 روپے
☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	800 روپے
☆ امریکہ' کینیڈا ' آسٹریلیا وغیرہ	1000 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 03-02-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** ——— ۳
مایوسی کے اندھیاروں میں امید کی ایک روشن کرن
حافظ عاکف سعید
☆ **تذکرہ و تبصرہ** ——— ٦
متحدہ مجلس عمل کی کامیابی: لائحہ عمل اور مشورے
ڈاکٹر اسرار احمد
☆ **حسن انتخاب** ——— ۱۳
دو روزے
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
☆ **حقیقت دین** ——— ۲۳
امت مسلمہ ایک فیصلہ کن دوراہے پر
ڈاکٹر اسرار احمد
☆ **قافلہ تنظیم** ——— ٦۳
تاریخ تنظیم اسلامی
انجینئر نوید احمد
☆ **ظروف و احوال** ——— ۷۸
بانی تنظیم کا خطابِ جمعہ اور ڈاکٹر عامر عزیز کی گرفتاری کے خلاف مظاہرہ

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

مایوسی کے اندھیاروں میں
اُمید کی ایک روشن کرن

حالیہ انتخابات کے نتائج اگر بعض پہلوؤں سے توقعات کے عین مطابق رہے تو بعض دوسرے پہلوؤں سے نہایت غیر متوقع صورت حال بھی سامنے آئی۔ توقع کے عین مطابق مسلم لیگ (ق) جسے پہلے ہی کنگز پارٹی کا خطاب مل چکا تھا اور جسے بھرپور سرکاری سرپرستی حاصل تھی' قومی اسمبلی میں سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھری۔ پیپلز پارٹی کا ووٹ بینک توقعات کے عین مطابق حالیہ انتخابات میں بھی برقرار رہا اور وہ نیشنل اسمبلی میں دوسری بڑی پارٹی کے طور پر اپنا مقام منوانے میں کامیاب رہی۔ مسلم لیگ (ق) کی کامیابی کے حوالے سے سرکاری سطح پر دھاندلی کے سنگین الزامات بھی مختلف سیاسی جماعتوں کی جانب سے پُرزور انداز میں عائد کئے گئے۔ ان کے الزامات کو تقویت یورپی یونین کے مبصرین کے بیان سے بھی ملی جنہوں نے واشگاف الفاظ میں ان انتخابات کو جانبدارانہ اور غیر شفاف قرار دیا ــــــ تاہم امریکہ نے انتخابات کے ''شفاف'' ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے میں کسی تامل سے کام نہ لیا' اور یہ بات بھی توقع کے عین مطابق رہی۔ حالیہ انتخابات میں چونکہ کسی سنگل پارٹی کو نیشنل اسمبلی میں اتنی عددی اکثریت حاصل نہیں ہو سکی کہ وہ اپنے بل پر حکومت کی تشکیل پر قادر ہوتی بلکہ مخلوط حکومت کے قیام' یہاں تک کہ قومی حکومت کے قیام کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یوں انتخابات سے قبل کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا کہ آئندہ ایک معلق (HUNG) پارلیمنٹ وجود میں آئے گی جو ایک کمزور اور غیر مستحکم حکومت کو جنم دے گی۔ اور ایسی کمزور حکومت ہی صدر مشرف کے لئے سازگار اور موافق ثابت ہو سکتی ہے!

اوپر بیان کئے گئے تمام معاملات وہ ہیں جو انتخابات سے قبل لگائے گئے

اندازوں اور توقعات کے عین مطابق ثابت ہوئے' تاہم حالیہ انتخابات کے حوالے سے بعض نہایت حیران کن' انتہائی غیر متوقع اور بہت ہی خوش آئند پہلو بھی سامنے آئے۔ ان میں اہم ترین معاملہ متحدہ مجلس عمل کی شاندار کامیابی ہے جس نے سابقہ تمام اندازوں کو غلط ثابت کر دیا۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی حد تک اس بات کی توقع کی جا رہی تھی کہ دینی جماعتوں کے اتحاد کی برکت اور طالبان حمایت جذبات یقینی طور پر نتائج پر اثر انداز ہوں گے' لیکن اتنی بڑی کامیابی کی توقع کسی کو بھی نہیں تھی۔ صوبہ سرحد میں ایم ایم اے کا طوفانی ریلا جس طرح اے این پی کو جو صوبہ سرحد کی قدیم ترین اور مضبوط ترین سیاسی جماعت سمجھی جاتی ہے' بہا کر لے گیا اسے تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ ایک غیر معمولی واقعے کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ صوبہ بلوچستان میں بھی ایم ایم اے نے بڑے بڑے برج الٹ دیئے اور بلوچ سرداروں کے مخصوص علاقوں کو چھوڑ کر پورے بلوچستان میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ صوبہ پنجاب اور سندھ میں اگرچہ ایم ایم اے کو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی تاہم ان دونوں صوبوں میں بھی مجلس عمل قابل ذکر سیٹیں حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ یوں مجموعی طور پر قومی اسمبلی میں ایم ایم اے تیسری بڑی پارٹی کے طور پر ابھر کر سامنے آئی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ملکی سطح پر نمائندگی کے حوالے سے ایم ایم اے کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کی نمائندگی پاکستان کے نہ صرف یہ کہ چاروں صوبوں میں ہے بلکہ وفاقی دارالحکومت کی دو نشستوں میں سے ایک نشست بھی ایم ایم اے نے جیتی ہے۔ یہ اعزاز اتنے متناسب انداز میں کسی دوسری پارٹی کے حصے میں نہیں آیا۔

دوسرا خوش آئند اور قدرے غیر متوقع معاملہ یہ ہوا کہ حالیہ انتخابات میں صوبائیت کی علمبردار اور علیحدگی پسند سیاسی جماعتوں کو بدترین ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پاکستان کی سیاست میں نظریاتی بنیادوں پر پولرائزیشن کا معاملہ اب جڑ پکڑنے لگا ہے' اور یہ بات یقینی طور پر نہایت خوش آئند ہے۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ حالیہ انتخابات میں متحدہ مجلس عمل کی شاندار کامیابی میں جہاں دینی جماعتوں کے اتحاد کی برکات کو اہم دخل حاصل ہے وہاں یہ

کامیابی بہت حد تک امریکہ مخالف جذبات اور صوبہ سرحد سے متصل سرزمین یعنی افغانستان میں مجاہدین اور بالخصوص طالبان کی قربانیوں اور شہیدوں کے لہو کی مرہون منت بھی ہے۔ مجلس عمل کے امیدواروں کی کامیابی دراصل امریکہ اور اس کے آلہ کاروں کے خلاف نفرت اور عدم اعتماد کا کھلا اظہار ہے ___ تاہم اس بحث کی تفصیلات کو سردست ایک طرف رکھتے ہوئے ہمارے نزدیک اس معاملے کا سب سے زیادہ خوش کن پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے ان دینی و مذہبی اور اسلام پسند طبقات کے دلوں میں جو دین کے ساتھ محض ایک جذباتی ہی نہیں' ذہنی و قلبی اور عملی تعلق بھی رکھتے اور مملکت خداداد پاکستان میں دین حق کے قیام و نفاذ کے آرزومند ہیں' امید کی جوت پھر سے جاگی ہے۔ پڑوس کی سرزمین میں طالبان کے اقتدار کے خاتمے اور امریکی عفریت کی چیرہ دستیوں' اور سرزمین پاکستان میں سیکولرازم کے بے لگام سیلاب اور ایف بی آئی کی صورت میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے تسلط نے دینی و مذہبی طبقات اور دین پسند حلقوں کے اعصاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ شیطان کی ایجنٹ عالمی طاقتوں کے ہاتھوں مخلصینِ اسلام کی پے بہ پے شکستیں امید کے ٹمٹماتے دیئے کو گل کرنے اور دل شکستگی اور مایوسی کے دبیز بادلوں کو مسلط کرنے کی موجب بن رہی تھیں۔ دین حق کے علمبرداروں کو تمام راستے مسدود اور ہر گلی بند دکھائی دیتی تھی ___ عالم کفر اور سیکولرازم کی اس یلغار کے مقابلے میں دینی قوتیں منقار زیر پر دکھائی دیتیں اور دین حق کے وفادار منہ چھپائے پھرنے پر مجبور تھے۔ ایسے میں متحدہ مجلس عمل کی غیر متوقع کامیابی دینی طبقات کے لئے حوصلہ افزائی کی موجب امید کی ایک روشن کرن سے کم نہیں ___ مجلس عمل کی یہ کامیابی اپنے جلو میں بے شمار چیلنج لے کر آئی ہے۔ ایم ایم اے کے قائدین ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دینی رہنماؤں کو فہم و فراست' بالغ نظری' وسعتِ قلبی اور حکمت و تدبر عطا فرمائے کہ وہ اس غیر متوقع طور پر ملنے والی کامیابی کو فی الواقع اسلام کی بالادستی میں بدل سکیں اور انتخابات کے میدان میں ملنے والی یہ کامیابی ستاروں کی تنک تابی تک محدود نہ رہے بلکہ اسے عملاً ''دلیلِ صبحِ روشن'' بنا دے۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد!

متحدہ مجلس عمل کی کامیابی
لائحہ عمل اور مشورے

ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن حکیم میں ایک مضمون متعدد مرتبہ آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو انسان حقیقت الحقائق (ذات باری تعالیٰ) سے محجوب ہوتا ہے' یعنی جس کا ذہنی و قلبی اور روحانی رشتہ اللہ کے ساتھ مضبوط نہیں ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ دنیاوی زندگی کے حوادث اور خوشیوں پر اس کا ردِعمل بہت شدید ہوتا ہے۔ اُسے کوئی خوشی حاصل ہو جائے تو پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے اور اگر کوئی ناکامی حاصل ہوتی ہے تو بجھ کر رہ جاتا ہے اور ہمت گنوا بیٹھتا ہے۔ جبکہ بندۂ مؤمن ان تغیرات سے زیادہ متاثر نہیں ہوتا' کیونکہ اس کی نگاہ حقائق پر ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر جو جتنا ایمان سے قریب تر ہے وہ اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے۔ تھوڑا بہت اثر تو انسان پر فطری اور طبعی طور پر ہوتا ہے' جیسے آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے بھی اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کے انتقال پر آنسو جاری ہو گئے تھے' اور جب کچھ لوگوں نے پوچھا کہ حضور ﷺ آپؐ کی آنکھوں میں بھی آنسو ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''اللہ کی طرف سے جو رحمت ہمارے دِل میں ڈالی گئی ہے یہ اس کا ظہور ہے ورنہ ہم اپنی زبان سے یہی کہتے ہیں کہ جو اللہ کا فیصلہ ہے' ہم اس پر راضی ہیں''۔

بہر حال جو ایمان میں زیادہ مضبوط ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ مضبوط ہو گا۔ اسی کو قرآنِ پاک میں ''نفس مطمئنہ'' کہا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الفجر میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝﴾ (آیات ۲۷۔۳۰)

''اے نفس مطمئن! اپنے ربّ کی طرف لوٹ' اس حال میں کہ تو اس سے اور وہ

تجھ سے راضی ہے۔ پس شامل ہو جا میرے خاص بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جا''۔

اب ذرا چند مثالوں کے ذریعے دیکھئے کہ قرآن مجید میں کس کس طور سے اس مضمون کو بیان کیا گیا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ۝﴾ (آیت ۸۳)

''جب ہم انسان پر اپنی نعمتوں کی بارش کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور تکبر اختیار کرتا ہے' اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے''۔

اسی طرح سورۃ الشوریٰ میں فرمایا:

﴿وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ۝﴾ (آیت ۴۸)

''انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس پر پھول جاتا ہے' اور اگر اس کے اپنے ہاتھوں کا کیا دھرا کسی مصیبت کی شکل میں اس پر پلٹ پڑتا ہے تو سخت ناشکرا بن جاتا ہے''۔

سورۂ ہود میں فرمایا:

﴿وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوۡسٌ كَفُوۡرٌ ۝ وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۝﴾ (آیات ۹'۱۰)

''اگر کبھی ہم انسان کو اپنے پاس سے رحمت کا مزا چکھاتے ہیں اور پھر وہ اس سے سلب کر لیتے ہیں تو وہ مایوس اور نہایت ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کی تکلیف کو ختم کر کے پھر رحمتوں کی بارش کرتے ہیں تو کہتا ہے میری ساری تکالیف دُور ہو گئیں اور نہایت اِترانے والا بن جاتا ہے''۔

یہ مضمون اپنے عروج (Climax) پر سورۃ الفجر میں آیا ہے:

﴿فَاَمَّا الۡاِنۡسَانُ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ رَبُّهٗ فَاَكۡرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَكۡرَمَنِ ۝ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابۡتَلٰٮهُ فَقَدَرَ عَلَيۡهِ رِزۡقَهٗ ۙ فَيَقُوۡلُ رَبِّىۡۤ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا ...﴾ (آیت ۱۵تا۱۷)

''انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا ربّ اسے آزماتا ہے اور اسے نعمتیں اور دُنیوی عزت دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے عزت دی۔ اور جب اس انسان کو اللہ روزی تنگ کر کے آزماتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے ربّ نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے.....''

سوچنے کی بات ہے کہ آخر اس میں خرابی کیا ہے؟ یہ انسان توحید کے اس مقام پر تو پہنچ چکا ہے کہ اپنی دونوں حالتوں یعنی عزت و ذلت کو خدا ہی کی طرف منسوب کر رہا ہے' پھر اس کے طرزِ عمل کو غلط کیوں کہا گیا؟ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی عزت کو کامیابی اور یہاں کی ذلت کو اپنی رُسوائی سے تعبیر کر رہا ہے۔ جبکہ یہاں کی عزت' عزت نہیں اور ذلت' ذلت نہیں' بلکہ یہ دونوں حالتیں آزمائش ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اس دنیا میں کبھی کچھ دے کر اور کبھی چھین کر آزماتا ہے۔ ہمیں ان دونوں حالتوں کو آزمائش ہی سمجھنا چاہئے۔ اصل عزت اور ذلت کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہونا ہے۔

سورۂ فجر کی ان آیات کا معاملہ تو اسی حد تک ہے' لیکن اس سے آگے بھی معرفت اور حقیقت کی ایک گہرائی ان آیات میں پنہاں ہے۔ وہ یہ کہ عام طور پر انسان سمجھتا ہے کہ دولت اور عزت ہلکی آزمائش ہے جبکہ فقر و فاقہ کی آزمائش زیادہ سخت ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ جو حقیقت سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے فراوانی حاصل ہے تو شدید اندیشہ ہے کہ غفلت طاری ہو جائے جبکہ تکلیف اور فقر و فاقہ میں اللہ یاد رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِنْ مَا كَثُرَ وَاَلْهٰى)) یعنی اگر تمہارے پاس دُنیوی ساز و سامان کم ہو لیکن کفایت کر رہا ہو تو یہ کہیں بہتر ہے اس سے کہ بہت کثیر ہو جائے اور غافل کر دے۔

اس کی ایک روشن مثال ہماری تاریخ میں موجود ہے۔ دورِ بنواُمیہ میں علم الکلام کا ایک مسئلہ کھڑا ہوا تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حکومتی سطح پر اسے مخلوق مان لیا گیا تھا اور علماء پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ بھی اس بات کو مان لیں۔ علماء کی ایک بڑی تعداد نے دباؤ میں آ کر تسلیم بھی کر لیا تھا۔ لیکن امام احمد بن حنبلؒ چٹان کی طرح کھڑے ہو

گئے۔ انہوں نے کہا میں قرآن کو ہرگز مخلوق قرار نہیں دے سکتا' ہاں اگر کتاب یا سنت سے کوئی دلیل ہے تو لاؤ' میں مان لوں گا۔ اس پر وہ گرفتار کئے گئے۔ انہیں مارا پیٹا گیا اور سخت تکالیف پہنچائی گئیں۔ لیکن کبھی آپؒ کی آنکھ میں آنسو نہیں آئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ خلیفہ مر گیا اور دوسرا خلیفہ برسرِ اقتدار آیا تو اُس نے یہ صورت ختم کر دی اور امام احمد بن حنبلؒ کو رہا کر کے ان کے گھر قاصد کے ذریعے اشرفیوں کی تھیلی بھیجی۔ اس پر آپؒ رو پڑے اور کہا: ''اے اللہ! میں اس امتحان کے قابل نہیں ہوں' یہ امتحان قید و بند کے امتحان سے زیادہ سخت ہے''۔

اصل میں عارف چونکہ حقائق کا جاننے والا ہوتا ہے لہٰذا اس کا معاملہ عام انسانوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہ خوشحالی و فراوانی کی آزمائش کو تنگی کی آزمائش سے سخت جانتا ہے۔

میں نے آج ساری گفتگو متحدہ مجلس عمل کی حالیہ انتخابات میں کامیابی کے تناظر میں کی ہے۔ متحدہ مجلس عمل کی یہ شاندار کامیابی غیر متوقع بھی ہے اور غیر مترقبہ بھی۔ لیکن جتنی بڑی یہ کامیابی ہے اتنا ہی بڑا امتحان بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو جتنا زیادہ نوازتا ہے اس کی مسؤلیت بھی اسی اعتبار سے بڑھ جاتی ہے۔

متحدہ مجلس عمل کے لئے اس امتحان سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حقیقی شکر ادا کریں اور تواضع کا مظاہرہ کریں۔ نیز انہیں یہ احساس بھی ہونا چاہئے کہ اللہ نے ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار کر دیا ہے۔

ایسے موقع پر شکر اور تواضع کی مثال سیرتِ مطہرہؐ سے ملتی ہے کہ جب آپؐ فتح مکّہ کے دن مکّہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کی گردن اتنی جھکی ہوئی تھی کہ آپؐ کی پیشانی سواری کے گردن کے بالوں کے ساتھ لگ رہی تھی۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے جب کہا کہ اے موسیٰؑ! آپؑ کے آنے سے پہلے بھی ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور آپؑ کے آنے کے بعد بھی وہی صورت ہے' آپؑ کی بعثت سے ہماری

حالت میں کون سی تبدیلی واقع ہوئی ہے؟ تو اس پر آپؑ نے جو جواب دیا وہ قرآن میں نقل کیا گیا ہے کہ:

﴿عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّھْلِکَ عَدُوَّکُمْ وَیَسْتَخْلِفَکُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ (آیت۱۲۹)

''قریب ہے کہ تمہارا ربّ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور زمین میں تمہیں خلافت عطا کر دے' پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیا کرتے ہو''۔

بعینہٖ متحدہ مجلس عمل بھی ﴿فَیَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾ کے امتحان سے دوچار ہے۔

ان کا سب سے کٹھن اور کڑا امتحان سرحد میں ہے جہاں ان کی بلاشرکت غیرے (Exclusive) حکومت قائم ہو گی۔ لہٰذا انہیں چاہئے کہ دستورِ پاکستان میں صوبوں کو جو اختیارات حاصل ہیں اسلام کے حق میں بھرپور انداز میں بروئے کار لائیں اور از روئے قرآن' نماز اور زکوٰۃ کا حقیقی نظام قائم کریں' نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں۔ چنانچہ صوبہ سرحد میں نماز کے اوقات میں کاروبار کا بند کیا جانا اور زکوٰۃ کے حقیقی نظام کی تنفیذ کے نتیجے میں کفالتِ عامہ کا انتظام ہونا چاہئے تاکہ وہاں کوئی ضرورت مند بھیک مانگتا نظر نہ آئے۔ مجلس عمل نے اگر یہ نہیں کیا تو ان کی حالیہ کامیابی بے معنی (Counter productive) ہو جائے گی۔

متحدہ مجلس عمل کا یہ فیصلہ کہ انہوں نے صوبۂ سرحد کا نام بدلنے کے عزم کا اظہار کیا ہے' میرے نزدیک درست ہے' کیونکہ ''شمال مغربی سرحدی صوبہ'' (N.W.F.P) غیر منطقی نام ہے۔ ویسے بھی پاکستان کے چاروں صوبے ہی سرحدی ہیں۔ لہٰذا صوبہ سرحد کی ثقافت و روایت کے مطابق اس کا نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک زمانہ تھا جب اس صوبے کا نام پختونستان رکھنے کے لئے دباؤ ڈالا جا رہا تھا تو وہ پختون نیشنل ازم کی بنیاد پر تھا۔ جبکہ اب ظاہر ہے کہ یہ پختون نیشنلزم کی بنیاد پر نہیں بدلا جا رہا۔ اسی طرح جمعہ کی چھٹی کا فیصلہ بھی ایک اچھی روایت ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ فحاشی' بے حیائی اور بے پردگی کے خلاف کام کیا جائے اور ان برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔

مجلس عمل کے بعض لیڈروں کا یہ طرزِ عمل کہ ہم طالبان والا اسلام یہاں نافذ نہیں کریں گے' قابلِ افسوس ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی کامیابی میں دینی عناصر کے اتحاد کی برکت کے علاوہ شہدائے افغانستان کے خون کا صدقہ بھی شامل ہے۔ جہاں تک طالبان حکومت کا تعلق ہے' اگرچہ انہیں اسلامی نظام کے قیام کا موقع نہیں ملا تھا' لیکن قانونِ اسلامی کی تنفیذ اور قرآن وسنت کی بالادستی کے باعث وہ یقیناً ایک اسلامی حکومت تھی۔ اسی طرح طالبان نے سادگی اور تواضع کی جو مثال قائم کی ہے اس میں بجا طور پر خلافتِ راشدہ کا ایک عکس دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا مجلس عمل کو طالبان کے ساتھ اپنے تعلق پر کسی احساسِ کمتری کے بجائے صوبہ سرحد کی حد تک طالبان کے ان اسلامی اصولوں کو ضرور اپنانا چاہئے جنہیں دستور کے اندر رہتے ہوئے کسی صوبے میں بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ البتہ جن معاملات میں طالبان کے طرزِ عمل میں اصلاح کی گنجائش موجود تھی' انہیں بدلنے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً داڑھی کے معاملے میں بہت زیادہ شدت اختیار کرنے کے بجائے ترغیب وتشویق کا معاملہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔ البتہ پردے کا معاملہ دوسرا ہے' اس کے لئے اسلامی تعلیمات کے مطابق قانون بنایا جانا چاہئے۔

اسی طرح انتخابات سے قبل سرحد میں دینی رہنماؤں نے کیبل آپریٹرز اور ڈش انٹینا کے خلاف مہم چلائی تھی' کیونکہ یہ چیزیں دورِ حاضر میں فحاشی کے فروغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اب چونکہ ان دینی جماعتوں کو وہاں اختیار حاصل ہوگا لہٰذا ان چیزوں پر پابندی لگنی چاہئے۔ مختصراً یہ کہ انہیں جو اختیار حاصل ہوا ہے اسلامی معاشرتی اقدار اور آداب کے نفاذ کے لئے بھرپور طور پر استعمال کیا جائے۔ اس ضمن میں بیرونی دنیا کے کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لایا جائے اور نہ ہی کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ اگر مجلس عمل نے ایسا نہ کیا تو انہیں اللہ اور عوام دونوں کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

اسی طرح میری ایک تجویز ہے کہ صوبہ سرحد کے وزراء سادگی اختیار کرنے کے ضمن میں اپنی تنخواہ آدھی کرنے کے ساتھ اپنی مراعات کم سے کم کر دیں اور چھوٹی

گاڑیاں استعمال کر کے دوسرے صوبوں کے لئے مثال قائم کریں۔ صرف اسی صورت میں متحدہ مجلس عمل اس آزمائش میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ بصورتِ دیگر ان کی ناکامی نہ صرف ملک میں اسلام کے حوالے سے خطرناک نتائج کی حامل ہو گی بلکہ ملک کے بقاء و استحکام کے لئے بھی نقصان دہ ہو گی۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

جہاں تک مرکز کا معاملہ ہے متحدہ مجلس عمل کو وفاق میں حکومت سازی کے لئے جوڑ توڑ کی سیاست اختیار نہیں کرنی چاہئے' کیونکہ حکومت میں شمولیت کے بعد بہت سے اعتبارات سے لچک دکھانی پڑے گی جس کے باعث ''اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی!'' کے مصداق یہ دینی عناصر عوام میں اپنی وقعت کھو دیں گے۔ موجودہ حالات میں ان کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپوزیشن میں بیٹھ کر نفاذِ اسلام کے لئے پریشر گروپ کے طور پر کام کریں اور روایتی اپوزیشن کے بجائے اصولی اپوزیشن کا کردار ادا کریں۔ یعنی حکومت کا کوئی عمل یا پالیسی اگر درست ہو تو اس کی تائید کریں اور اگر وہ غلط راہ اختیار کریں تو ان پر تنقید کریں اور ان کا ساتھ نہ دیں۔

یہ بات بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ جاگیردارانہ نظام اور فرقہ واریت کے ہوتے ہوئے انتخابات کے ذریعے یہاں اسلامی نظام کا قیام ممکن نہیں۔ جیسا کہ سود کے معاملے میں ہوا کہ تیس سال کی مساعی کو بیک جنبش قلم صفر کر دیا گیا۔ یہاں اسلام کے عادلانہ نظام اجتماعی کا قیام صرف محمدیؐ انقلاب کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ لہٰذا دینی جماعتوں کی انتخابات میں کامیابی کے نتیجے میں نفاذ اسلام کے بارے میں زیادہ پرامید نہیں ہونا چاہئے۔ تاہم اگر یہ حضرات ملک کو سیکولرازم کی طرف جانے سے روک سکیں تو یہ بھی بہت بڑی بات ہو گی۔ ○○

(بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ۱۸ر اکتوبر ۲۰۰۲ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص)

(۲)
دو روزے

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کا ایک اہم خطاب

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدۃ:۳)

میرے بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لئے توفیق الٰہی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ معمولی نعمت نہیں ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))

''جس نے رمضان کے روزے رکھے' اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں' تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔''

اور یہ بظاہر آخری جمعہ ہے' جمعۃ الوداع ہے' اس کے بعد جو روزے باقی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شب قدر کی دولت ونعمت بھی عطا فرمائے' ہماری اور آپ کی عاجزانہ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے جو اِس مہینہ میں کی گئیں۔

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے والا ہوں' لیکن وہ نئی بات نہیں ہے' وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیم سے ماخوذ ہے' اور قرآن مجید پر مبنی ہے' لیکن بہت سے بھائیوں کے لئے نئی ہوگی' اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے

آدمی کا ذہن ذرا تر و تازہ‘ بیدار اور متوجہ ہو جاتا ہے۔ وہ نئی بات یہ ہے:

’’روزے دو طرح کے ہیں‘ ایک چھوٹا روزہ‘ ایک بڑا روزہ۔‘‘

چھوٹے روزے کی تحقیر مقصود نہیں‘ صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں۔ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو‘ ۱۳ گھنٹہ‘ ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا‘ بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ۔ یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے‘ وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے۔ اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے کچھ شرعی احکام ہیں جو آپ کو معلوم ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا اور ان تعلقات و معاملات کا لطف نہیں حاصل کر سکتا جن کی اور دنوں میں اجازت ہے۔ یہ روزہ چاہے ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا‘ اس میں محدود پابندیاں ہیں۔ رمضان کے اس روزے سے لوگ واقف اور اس کے قوانین و احکام پر عامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے علاوہ اور کون سا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے! گرمی کے روزے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے علاوہ اور کون سا بڑا روزہ ہوگا؟ کیا شش عید کا روزہ بتانے والا ہوں‘ یا پندرہویں شعبان کا؟ کون سا روزہ بتانے والا ہوں؟

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ! اسلام خود ایک روزہ ہے۔ اور سب روزے اور عیدین بھی‘ بلکہ روزہ‘ نماز یہاں تک کہ جنت بھی‘ جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا‘ وہ سب اس کے طفیل ہی ہے‘ اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے۔ وہ کب ختم ہوتا ہے‘ کب شروع ہوتا ہے‘ یہ بھی سن لیجئے!

جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا‘ اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے‘ اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے اور جو اسلام لائے‘ کلمہ پڑھے‘ یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا‘ یہ بھی سن لیجئے۔ رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے‘ مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوگا۔

رمضان کے روزہ ونفلی روزہ کا افطار کیا ہے! آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ سے لذیذ غذا سے افطار کر سکتے ہیں۔ زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے مُنہ میں پانی آ جائے گا اور شوق پیدا ہو جائے گا' اس لئے میں ان کا نام نہیں لیتا۔ وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے' وہ روزہ ٹھنڈے پانی سے کھلتا ہے' یا دوسرے مشروبات سے یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے۔ اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا؟ حضرت محمد رسول اللہ' محبوب ربّ العالمین' شفیع المذنبین' سید المرسلین ﷺ کے دست مبارک سے جامِ طہور' جامِ کوثر سے کھلے گا۔ اگر وہ روزہ پکا ہے اور آپ نے اس روزے کی شرائط پوری کر دی ہیں اور محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے گئے' ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کہہ رہے تھے' ہمارے دل میں نورِ ایمان تھا' ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا' تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے۔ اس کا افطار کیا ہے؟ اس کی ضیافت کیا ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے۔ اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے۔ سینکڑوں اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا دیدار نصیب ہو' اللہ کے رسولؐ کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں' راضی ہوں۔ جہاد کے واقعات' غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھئے۔ لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں' بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ اُحد کی جنگ کے موقع پر آیا۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ابھی تم چھوٹے ہو۔ اس نے کہا: میں چھوٹا نہیں' میں لڑ سکتا ہوں۔ اس نے بڑی خوشامد کی' کسی نے سفارش بھی کی تو آپؐ نے اجازت دے دی۔ دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے' کہنے لگے: آپؐ نے انہیں اجازت دی تھی' مجھے بھی اجازت دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا: تم ابھی بچے ہو۔ اس نے عرض کیا: آپؐ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجئے۔ اگر میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجئے۔ یہ بچوں کا شوق تھا' کشتی ہوئی'

اس نے واقعی پچھاڑ دیا اور آپؐ نے ان کو بھی اجازت دے دی اور وہ شہید بھی ہوئے۔ ابوجہل کو دیکھ کر دونوں بھائیوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا کہ ہمیں ابوجہل کو دکھایئے' ہم نے سنا ہے کہ اس نے رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے' میں یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں' ابوجہل کے بارے بتانے پر دونوں لپک پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں۔ سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں جو ممنوع ہیں' لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو ہے' حالانکہ یہ روزہ ہم لوگوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے' اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے' یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے' اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی ہے۔ اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ نماز ہوتی' نہ روزہ ہوتا۔ اور دیکھ لیجئے جہاں اسلام نہیں وہاں نہ نماز ہے' نہ روزہ ہے' نہ کلمہ ہے' نہ اللہ پر یقین ہے' نہ اس کے واحد ہونے کا یقین ہے' نہ حشر کا' نہ روزِ قیامت کا' نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا' یہ سب دولت ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے۔ ہم گن بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دولتیں ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہیں۔ اسلام کے طفیل میں آدمیت ملی ہے' انسانیت ملی ہے' عزت ملی ہے' طاقت ملی ہے' روحانیت ملی ہے' اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی' اس کا تو پوچھنا ہی کیا۔ ((مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ)) ''نہ کسی آنکھ نے دیکھا' نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں اس کا خیال گزرا''۔ تو اس (طویل و مسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیال آتا ہے۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں' معلوم نہیں پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور ہمیں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے' بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا نفلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے' یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں' تب ان کی

قضا ہو گی، لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے۔ ہم بتاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں۔ اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں، منع ہیں۔ اس میں شرک منع ہے۔ سب سے بدتر چیز جو اللہ کو ناپسند ہے، وہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صاف فرماتا ہے:

۝ اِنَّ اللّٰہ لا یغفرُ انْ یُّشرَک بہ ویغفرُ ما دُوْن ذٰلک لمنْ یّشآءُ ۝

''اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا، باقی جس کو چاہے گا معاف فرما دے گا۔''

شرک کیا ہے، آپ سن لیجئے۔ اس کو سب برا سمجھتے ہیں۔ آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے۔ عقیدہ یہ ہے کہ کارخانۂ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے ۝ الا لہُ الْخلْقُ والْامْرُ ۝ اس کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے چلانا۔ اسی کو مانتے ہیں کہ خالق ارض وسماوات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں اور کبھی اُن کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے کہ کائنات کا چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانۂ عالم تو اللہ نے بنایا ''کُنْ فَیَکُوْنُ'' کہہ دیا، بس بن گئی، لیکن چلانے میں دوسری ہستیاں شریک ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کر دے، کسی کے ذمہ کر دے، بھائی تم خیرات بانٹا کرو، تم دیکھو کھانے پینے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچا دو، کچھ پہنچا دو جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے دو، کسی کے اولاد نہیں ہے اس کو اولاد عطا کرو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی خلاصی کر دو، کسی کا مقدمہ جتا دو وغیرہ وغیرہ۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانے کر دیئے ہیں تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہو گی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گا لے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا ہی کام ہے پیدا کرنا، اور میرا ہی کام ہے چلانا اور حکم دینا ﴿اَلا لہُ الْخلْقُ والْامْرُ ۝

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے کہ شاہجہاں بنا کر چلے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے

دیوار پر کچھ لکھ دے' دھبہ لگا دے' کھونچا لگا دے' کوئی حصّہ توڑ دے' وہ کچھ نہیں کر سکتے' ان کے بس میں کچھ نہیں' اور شاہجہاں کیا خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور حکمراں ہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانۂ عالَم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے' وہی خالق کائنات ہے' ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے' اور وہی حکمراں' سیاہ سفید کرنے والا' جلانے مارنے والا' روزی اور اولاد دینے والا ہے۔ ﴿اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾ اولاد دینا' روزی دینا' قسمت اچھی بری کرنا' ہرانا جتانا' کسی کو عزت دینا' کسی کی آئی ہوئی بلا کو ٹال دینا' یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس دنیا کا ایک پتہ اور ایک ذرّہ بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا' پوری باگ ڈور' عنانِ حکومت اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہئے۔ اولاد وہی دے سکتا ہے' روزی وہی دے سکتا ہے' عزت وہی دے سکتا ہے' جلانا مارنا اسی کا کام ہے' یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے' نہ کسی قطب کے قبضہ میں ہے' نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے' نہ کسی ابدال کے قبضہ میں ہے۔ ایک بات یہاں سے لے کر جائیے۔ پہلے عقیدۂ توحید کو جانچئے کہ آپ اللہ ہی کو مُسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور خالق و رازق سمجھتے ہیں؟

ایک بات تو یہ' اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین و آخرت کا یقین ہے' اور اس کے بعد حضورِ اقدس ﷺ کو آخری پیغمبر ماننا' خاتم النبیین' سید المرسلین' شفیع المذنبین' محبوب ربّ العالمین ماننا' اور یہ ماننا کہ شریعت انہی کی چل رہی ہے اور قیامت تک چلے گی' اور آخرت میں کام آئے گی۔ قیامت تک اور کسی کی شریعت نہیں چلے گی۔ اگر کوئی آپؐ کے بعد نئی شریعت لے کر آئے تو وہ کذاب اور دجال ہے' ملحد ہے' دین کا باغی ہے اور واجب القتل ہے۔ شریعت' شریعت محمدیؐ ہے اور وہی قیامت تک چلے گی اور ہر جگہ چلے گی۔ اس پر جو چلے گا وہی فلاح یاب ہوگا اور سرخرو ہوگا۔

آپ ﷺ حبیب خدا ہیں' جو آپؐ سے محبت کرے خدا اُس سے محبت کرتا ہے۔ اور آپؐ نے فرمایا:

((لاَ یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

''تم میں سے کوئی مؤمن نہیں جب تک کہ میں اسے اپنے باپ سے' بیٹے سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

یہ مرتبہ اور کسی بزرگ' ولی کیا چیز' کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملا۔ یہ مرتبہ خدا نے آپ ﷺ کے لئے رکھا تھا۔ ایک تو یہ کہ آپؐ پر ایمان بھی ہو' عقیدہ بھی ہو' محبت بھی ہو اور شفاعت کا شوق بھی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ میں شریعت پر چلنے کا اہتمام بھی ہو۔ آپ پوچھیں' آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی ہو کہ مسئلہ بتایئے! لیکن افسوس کہ مسلمانوں میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے۔ شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو' حضور ﷺ اور صحابہؓ کا کیا طریقہ کار تھا' خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت وسنت کے مطابق ہونا چاہئے۔ ماتم کرنا' گانا بجانا' یہ تزک واحتشام' دھوم دھام اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا' چاہے سود لے کر اور زمینیں بیچ کر' رشوت لے کر ہو' بس جس سے نام ہو' ہماری حیثیت عرفی بلند ہو' لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں اور یہ جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک' کہ گردن شرک سے جھک جائے' کیسی بری بات ہے۔ یہ سب شریعت کے خلاف ہے' اللہ کو ناپسند ہے۔ ان سب باتوں میں ہم شریعت کے پابند ہیں۔ صرف نماز وروزہ میں ہی پابند نہیں ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں۔ ہر چیز میں ہمارے لئے نمونہ اُسوۂ رسول ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران : ۳۱)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو' خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔''

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو اور شریعت کو آپ سمجھیں کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے' پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے' پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ بس نماز وروزہ شریعت کے مطابق ہوں' اس کے لئے مسئلہ پوچھیں' اور نکاح وطلاق' تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں' لاٹری بھی چل رہی ہے' جوا بھی چل رہا ہے' ٹیلی ویژن بھی دن رات چل رہا ہے۔ (جو لہو الحدیث کی بہترین تشریح

ہے) اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے' نمود و نمائش بھی جاری ہے' ہمسایہ قوم (یعنی ہندو) کی نقالی بھی چل رہی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے ایسے ہی اس روزہ میں بھی غیبت منع ہے۔ اسی طرح جھوٹ بولنا' فحش بکنا' رشوت لینا اور رشوت دینا' سود خوری' اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے۔ تو آپ یہ سمجھ کر جائیں روزہ کے بعد ہم آزاد ہیں' ہرگز نہیں' ہم آزاد نہیں ہیں' وہ روزہ برابر چلتا رہے گا' وہ روزہ اب بھی ہے۔ بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فگن ہے' اور یہ روزہ اس روزہ کا جزو ہے جو آپ رکھ رہے ہیں۔ وہ روزہ چلتا رہے گا' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ یہی سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے' بلکہ جس کے لئے جان کی بازی بھی لگا دینا چاہئے۔ ہماری آزادی' غریبی' مفلسی' دوستی' دشمنی' کامیابی اور ناکامی' یہ سب گزر جائے گی' بس خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اولیاء اللہ کو اس کی بڑی فکر تھی۔ ان کے حالات پڑھئے' جن کا نام لینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ان کو یہ فکر ہوتی تھی' بلکہ دوسروں سے دعا کراتے تھے' کہ خاتمہ بخیر ہو۔ سب کے دل کو یہ لگی ہوئی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا' ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہو گئی' اب ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں۔ ہرگز ایسا نہیں' آپ آزاد بالکل نہیں ہیں۔ آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے۔ آپ کی تختی' آپ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا اور اُس روزہ کا بھی حساب و کتاب ہوگا۔ ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی:

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾

میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے' سلطنت کہے' بادشاہ کہے کہ ایسا کرو اور ویسا کرو' بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعویٰ کرنے والا کہے'

کچھ ہونے کو نہیں۔ جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی۔ دنیا میں کسی کو یہ اجازت نہیں اور نہ اس کی مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے۔ شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی' وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی۔

یہاں سے آپ ارادہ کر کے جایئے کہ اگر کسی کی جائیداد آپ کے قبضہ میں ہے اور آپ کی نہیں ہے تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپ اس جائیداد کو چھوڑ دیں' اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا' آپ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور کہیں کہ لو اپنی جائیداد' اپنا ترکہ' یہ تمہیں مبارک ہو' اب ہم نے توبہ کی ہے۔ جھوٹ بولنا' جھوٹی گواہی دینا' دل آزاری کرنا' گالی بکنا' ناجائز' حرام ذرائع آمدنی' رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں' حرام ہی ہیں اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی۔ اسی طرح سود ہے کہ بعض لوگ اس دورِ پُرفتن میں اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں' کس قدر افسوس ناک بات ہے۔ جس چیز کو شریعت و دین نے حرام قرار دیا ہے' قیامت تک حرام ہی رہے گی۔

کوشش یہ کیجئے کہ آپ کا روزہ صحیح طریقہ پر افطار ہو' شاہ غلام علی صاحب' مجددی' دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں تھے۔ نواب میر خاں نے جو اُن کے مرید تھے' ارادہ کیا جب انہوں نے سنا کہ حضرت کے یہاں پانچ پانچ سو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپ ہی کو ان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں' کوئی آمدنی نہیں' کوئی جائیداد نہیں' تو انہوں نے ایک بڑی رقم پیش کرنا چاہی اور کہا کہ حضرت اس کو قبول فرمالیں۔ فرمایا کہ فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا۔ اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے۔ اب کوئی جتنا کہے کہ یہ چیزیں لے لو' یہ دوا کھالو' میں روزہ نہیں کھولوں گا' کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں۔

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے' ساری عمر کا روزہ ہے کبھی نہیں ٹوٹ سکتا' جو چیزیں حرام ہیں' حرام ہیں' غلط ہیں' غلط ہیں' عقیدہ خالص ہونا چاہئے۔ سمجھ لیجئے' نہ کوئی قسمت بری بھلی بنا سکتا ہے' نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے' نہ اولاد

دے سکتا ہے' نہ نوکری دلا سکتا ہے' کہ آپ کسی اور سے مانگیں' جو کچھ مانگنا ہو اسی سے مانگیں جو سمیع و مجیب ہے۔ وہ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے رسولؐ سے کہ بندہ آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں' دعا کرنے والی کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ دعا کرے۔

آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جائیے' خوش ہوئیے' اللہ کا شکر ادا کیجئے۔ یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور رمضان نصیب کرے۔ مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں' صحت کا اعتبار نہیں' ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا' وہ روزہ مبارک ہو' اس روزہ کا خیال رکھئے' وہ روزہ نہ توڑیئے گا' وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا' سب کچھ بگڑ گیا۔

بس یہی دو روزے ہیں' ایک روزہ ہے قریب المیعاد' وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے۔ ایک روزہ وہ ہے جو زندگی کے ساتھ رہے گا' اور مسلمان کے لئے جب سے وہ بالغ ہوا' اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے۔ اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن میں اس کے جان اور روح ہے' اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں' اس روزے کی حفاظت کریں اور قدر کریں' اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔

رَبِّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ واٰخِرُ دَعْوانا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

(یہ تقریر ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد شاہ علم اللہ تکیہ رائے بریلی میں کی گئی۔ مقرر علیہ الرحمۃ نے خود اس پر نظر ثانی کی۔)

اُمتِ مسلمہ ایک فیصلہ کن دوراہے پر

تنظیم اسلامی کے بانی امیر ڈاکٹر اسرار احمد
کا ایک فکر انگیز خطاب

اُمتِ مسلمہ سے مراد کیا ہے؟ اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اس کی اس وقت تعداد کیا ہے؟ وہ اس وقت کس حالت میں ہے؟ آیئے اِن سوالات پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اُمتِ مسلمہ یعنی اُمتِ محمد ﷺ کی تعداد کے بارے میں اس وقت دُنیا میں مختلف اندازے ہیں۔ کم سے کم ۱۲۰ کروڑ اور زیادہ سے زیادہ ۱۵۰ کروڑ۔ یعنی یا تو دُنیا کا ہر چوتھا انسان اُمتِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں شامل ہے یا ہر پانچواں انسان۔ یہ بہت بڑی اُمت ہے۔

اس کرۂ ارض کا تین چوتھائی حصّہ تو پانی پر مشتمل ہے' یعنی سمندر ہے' باقی جو ایک چوتھائی خشکی ہے اس میں بھی وہ علاقہ جہاں لوگ رہ سکتے ہوں' بہت تھوڑا ہے۔ اس آباد علاقے کا بہت بڑا حصّہ وہ ہے جو اُمتِ مسلمہ کے قدموں تلے ہے۔ لیکن اس اُمت کو اس وقت دُنیا میں کوئی عزت حاصل نہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے علاوہ اسے اللہ نے اتنے وسائل عطا کئے ہیں کہ کسی طرح کی زرعی پیداوار ایسی نہیں جو عالمِ اسلام میں پیدا نہ ہوتی ہو۔ معدنیات کو دیکھا جائے تو کوئی شے ایسی نہیں جو عالمِ اسلام میں موجود نہ ہو۔ آج کی دُنیا کی سب سے قیمتی شے سیال سونا (The Black Gold) یعنی تیل ہے' اس کے سب سے بڑے ذخیرے اُمتِ مسلمہ کے پاس ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود اس کے پاس عزت نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ دُنیا کے معاملات G-7' G-9' G-15 یا اقوامِ متحدہ کی سکیورٹی کونسل طے کرتی ہے' مگر کوئی مسلمان ملک نہ G-9 میں' نہ G-15 میں' نہ G-7 میں اور نہ سکیورٹی کونسل میں ہے۔ گویا کہ اس دُنیا

کے معاملات میں ہماری کوئی رائے ہے ہی نہیں۔

پھر دیکھئے کہ اس اُمت کا کوئی نہ کوئی حصّہ ہر وقت بدترین تشدد کا شکار رہتا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے افغانستان کو روسیوں نے تہس نہس کیا۔ وہ معاملہ ذرا ٹلا تو بوسنیا میں لاکھوں مسلمان قتل ہو گئے' ہزاروں مسلمان عورتوں کی عصمت دری ہوئی۔ وہ معاملہ ذرا ختم ہوا تو کوسوو میں وہی تاریخ دہرائی گئی۔ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے! لیکن ہمارے اندر یہ ہمت نہیں ہے کہ ہم بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہیں کہ ''بس اب معاملہ میدانِ جنگ میں طے ہوگا''۔ نہیں' ہمت ہی نہیں ہے' طاقت ہی نہیں ہے۔ ہم لے دے کر بس یہی کر سکتے ہیں کہ کہیں اقوامِ متحدہ کی دہائی ہے' کہیں امریکہ کی خوشامد ہے کہ کوئی کسی طریقے سے ہمارے مذاکرات شروع کرا دے۔ یہ کیا صورتِ حال ہے! ایسا کیوں ہے؟ یہ اُمت محمدؐ اس وقت ذلیل و خوار کیوں ہے؟

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں!

بہرحال ایسی بات تو نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کفر پسند ہو اور اسلام ناپسند ہو۔ آخر امریکہ کون ہے؟ کفار پر مشتمل ملک ہے' عزت ان کے پاس ہے' دُنیا کے معاملات وہ کنٹرول کر رہے ہیں' بین الاقوامی پالیسیاں وہ بناتے ہیں۔ چین کفار پر مشتمل ہے' جاپان ہے تو وہ کفار پر مشتمل ہے۔ گویا

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر!

اُمت مسلمہ کی ذلت و رسوائی کا اصل سبب

ایسا کیوں ہے؟ یہ بہت اہم سوال ہے' بہت غور طلب معاملہ ہے۔ اگر میں براہِ راست اس سوال کا جواب آپ کے سامنے رکھ دوں تو شاید آپ کو اچھا نہیں لگے گا' لیکن اگر بالواسطہ پہلے ایک اور مثال دے کر آپ کے سامنے رکھتا ہوں تو اس سے اصل حقیقت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ جس طرح آج اُمتِ محمد ﷺ کو اُمت مسلمہ کی

حیثیت حاصل ہے اسی طرح چودہ سو برس قبل بنی اسرائیل کو اُمت مسلمہ کی حیثیت حاصل تھی۔ ۲۰۰۰ برس تک دنیا میں یہودیوں کو وہی مقام حاصل رہا جو آج مسلمانوں کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام سے ۱۴۰۰ سال قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی‘ جیسے کہ آج سے ۱۴۰۰ سال قبل محمد رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید عطا فرمایا۔ تو حضور ﷺ سے ۲۰۰۰ سال قبل ایک اُمت کی دنیا میں تاسیس ہوئی۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمت تھی۔ ان کے پاس اللہ کی کتاب تورات اور اللہ کا قانون شریعت موسوی کی شکل میں موجود تھا۔ جس قوم کو اللہ اپنی کتاب دے‘ اپنا قانون دے وہ قوم اس زمین پر اللہ کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ یعنی دُنیا کو اگر اب ہدایت خداوندی ملے گی تو اُن کے ذریعے سے ملے گی‘ کتاب ان کے پاس ہے‘ شریعت ان کے پاس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت اونچا مقام عطا ہوا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ کے چھٹے رکوع کی پہلی آیت اس طرح ہے:

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (البقرۃ:۴۷ و ۱۲۲)

’’اے بنی اسرائیل! ذرا یاد کرو ہمارے وہ انعامات جو ہم نے تم پر کئے اور ہم نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی‘‘۔

سورۃ البقرۃ میں یہ آیت ایک دفعہ نہیں دو دفعہ آئی ہے۔ بنی اسرائیل کی فضیلت میں وارد یہ آیت تورات یا زبور کی آیت نہیں ہے‘ بلکہ قرآن کی آیت ہے۔ اس لئے کہ اُس وقت اُس اُمت کو وہ مقامِ فضیلت حاصل تھا‘ لیکن اُس اُمت نے اللہ کے دین کو پیٹھ دکھادی‘ شریعت پر عمل کرنا چھوڑ دیا‘ اپنے عمل سے اللہ کے دین کو misrepresent کیا۔ ظاہر بات ہے دُنیا تو آپ کے عمل کو دیکھے گی‘ وہ دیکھے گی کہ یہ اللہ والے ہیں تو شاید اللہ کا دین ایسا ہی ہوگا۔ تو جن لوگوں کے ذریعے سے اس دین کی غلط نمائندگی شروع ہو جائے تو وہ کافروں سے بڑھ کر اللہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔ کافر تو صاف انکاری ہیں‘ اُن پر تو آخرت کا عذاب ہے‘ لیکن جو کہے میں مانتا ہوں اور پھر نہ مانے‘

کہے میں مانتا ہوں' لیکن عمل نہ کرے' کہے کچھ اور کرے کچھ تو ایسے لوگوں کو اس دُنیا میں بھی سزا دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر قرآن حکیم میں دو مرتبہ بنی اسرائیل کی فضیلت بیان ہوئی تو دو مرتبہ ان پر ذلت و مسکنت مسلط کیے جانے کا ذکر بھی ہوا۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ (آیت ۶۱)

''اُن پر ذلت اور کم ہمتی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کا عذاب لے کر لوٹیں گے''۔

سورۂ آل عمران میں دوبارہ فرمایا:

﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ﴾ (آیت ۱۱۲)

''یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی' کہیں اللہ کے ذمہ میں یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر محتاجی و مغلوبی مسلط کر دی گئی ہے''۔

اللہ کا یہ غضب اُن پر کبھی آشوریوں کے ہاتھوں آیا جنہوں نے لاکھوں یہودی قتل کیے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو عبادت گاہ بنائی تھی اس کو مسمار کر دیا۔ یہ ۵۸۷ ق م میں ہوا۔

پھر اللہ نے انہیں ایک موقع دیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کی تجدید ایمان اور توبہ کی دعوت سے ان میں پھر ایمان والی زندگی دوبارہ پیدا ہوئی اور اللہ نے انہیں دُنیا میں دوبارہ عزت دی اور ان کی عظیم سلطنت قائم ہوئی۔ لیکن جب انہوں نے دوبارہ دین کو پیٹھ دکھا دی' عیاشیوں اور بدمعاشیوں میں مبتلا ہو گئے تو پہلے انہیں یونانیوں کے ہاتھوں پٹوایا' پھر رومیوں سے پٹوایا۔ ۷۰ء میں دوسری مرتبہ بنایا گیا ہیکل سلیمانی مسمار ہو گیا۔ ٹائیٹس رومی نے ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودیوں کو ایک دن میں یروشلم میں قتل کیا۔ آج یروشلم میں جو ہو رہا ہے وہ آپ ٹی وی وغیرہ پر دیکھ رہے ہیں۔ اسی شہر میں ۷۰ء میں' ۱۹۳۰ سال قبل' ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودی ایک دن میں قتل کیے گئے تھے اور باقی ماندہ کو وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ اپنے اس جلاوطنی کے دور کو وہ انتشار کا دَور (Diaspora) کہتے ہیں۔ کچھ یورپ میں چلے گئے' کچھ ایشیا کے ممالک میں چلے

گئے، فلسطین میں کوئی یہودی باقی نہیں رہا' حالانکہ وہ کہتے ہیں یہ ہمارا ملک ہے۔ یہ تو اس صدی کے شروع میں انگریزوں نے ان کے لئے بالفور ڈیکلریشن (۱۹۱۷ء) کے اندر اعلان کیا اور پھر انہیں یہ حق دے دیا کہ یہ فلسطین میں واپس آ سکتے ہیں اور آ کر وہاں زمین اور مکان بھی خرید سکتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ۱۸۴۷ برس کے بعد ان کو فلسطین میں دوبارہ داخلہ ملا ہے' ورنہ تقریباً پونے دو ہزار برس یہ فلسطین سے باہر رہے ہیں۔ یہ ایک ہلکا سا نقشہ ہے جو آپ نے ملاحظہ کیا۔

تیسری مرتبہ ۱۹۱۷ء میں عروج کی طرف ان کی پیش رفت کا آغاز ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں بالفور ڈیکلریشن آ گیا اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل قائم ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء میں عربوں نے اسرائیل سے جنگ کی تو بری طرح شکست کھائی۔ ۱۹۶۷ء میں پھر عرب اسرائیل جنگ ہوئی۔ اس چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے مصر سے بہت سا علاقہ چھین لیا' شام سے گولان کی پہاڑیاں چھین لیں' شرق اُردن سے سارا مغربی کنارہ لے لیا اور یروشلم پر بھی ان کا تسلط مکمل ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ ۳۳ برس ہو گئے ہیں کہ وہ شہر جسے مسلمانوں کا قبلہ اوّل بھی کہا جاتا ہے' یہودیوں کے زیر تسلط ہے۔ اس کے بعد صورتِ حال کیا رخ اختیار کرے گی اس کا ذکر آگے مناسب موقع پر ہو گا' لیکن یہ ساری داستان آپ کے سامنے رکھی گئی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تاریخ میں ہم سے پہلے بھی ایک اُمت مسلمہ تھی۔ یہ نہ سمجھئے کہ ہم ہی واحد اُمت مسلمہ ہیں۔ غالب کا بڑا پیارا شعر ہے کہ ۔

ریختہ کے تم ہی استاد نہیں ہو غالب
سنتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میرؔ بھی تھا!

تو ہم ہی واحد اُمت مسلمہ نہیں ہیں' بلکہ ہم سے پہلے اُمت مسلمہ اُمت موسیٰؑ تھی جن کے پاس تورات تھی' جن کو اللہ تعالیٰ نے اہل عالم پر فضیلت عطا کی تھی' لیکن ان کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر عذاب کے کوڑے برسے اور انہیں کروڑوں کی تعداد میں قتل کیا گیا۔ بیسویں صدی میں بھی سات لاکھ یہودی قتل ہوئے ہیں۔ ہٹلر کے ہاتھوں جو یہودیوں کا قتل عام (Holocaust) ہوا اس کے لئے خاص پلانٹ بنائے گئے۔ ہٹلر نے

سوچا ہوگا کہ اتنے لوگوں کو ماریں گے تو ان کی لاشوں کا کیا کریں گے' دفنانے لگیں گے تو ایک مصیبت آ جائے گی' کتنا خرچ آئے گا۔ لہٰذا خاص پلانٹ نصب کئے گئے۔ پہلے یہودیوں کو ایک ہال میں لایا جاتا جہاں سب مردوں عورتوں اور بچوں کے بال اتروا لئے جاتے تاکہ ان سے بھی فائدہ حاصل کیا جا سکے۔ (چنانچہ ان بالوں سے جرمنوں نے اپنے دفتروں کے اندر بچھانے کے لئے قالین بنائے۔) اس کے بعد اس ہال کے اندر زہریلی گیس چھوڑ دی جاتی جس سے سب مر جاتے۔ پھر ایک پٹہ چلنا شروع ہوتا جیسے فیکٹریوں میں چلتا ہے اور ایک ایک لاش اس پر آگے بھیجی جاتی۔ آگے ان کو اس طرح کاٹا جاتا جیسے چارا کاٹا جاتا ہے۔ پھر انہیں ایک محلول کے اندر حل کر دیا جاتا۔ ان کا گوشت اور ہڈیاں اس محلول میں گھل کر رہ جاتیں اور دوسری طرف ایک سیاہ بدبودار مائع باہر نکل رہا ہوتا جسے وہ اپنے کھیتوں کے اندر بطور کھاد استعمال کرتے۔ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں ہوا ہے' کوئی دو ہزار سال پرانی بات نہیں ہے۔

سابقہ اور موجودہ اُمت مسلمہ کے حالات میں مشابہت

اب آپ دیکھئے بعینہٖ یہی معاملہ اُمت مسلمہ کا بھی ہے۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث ترمذی شریف میں موجود ہے' حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى أُمَّتِيْ مَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ))

''میری اُمت پر بھی وہ سب حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے جیسے ایک جوڑے کے دو جوتے آپس میں مشابہ ہوتے ہیں۔''

اس تمثیل اور تشبیہہ پر ذرا غور کیجئے' جب جوتے کا جوڑا زمین پر رکھا ہے تو دونوں جوتے مختلف نظر آئیں گے' لیکن ان کے تلوے ملا دیجئے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طریقے سے ہمارے حالات ہیں۔ ہمارے ساتھ کیا ہوا؟ پہلے اللہ نے ہمیں عربوں کے زیر قیادت عروج دیا۔ لیکن جب عرب اللہ کے دین کو چھوڑ کر عیاشیوں میں لگ گئے' بغداد میں شاہی محلات عیاشیوں کے اڈے بن گئے' کوہ قاف کا سارا نسوانی

حسن لاکر یہاں جمع کر لیا گیا' ہزاروں کی تعداد میں لونڈیاں حرم شاہی کی زینت بن گئیں' رقص و سرود کی محفلیں' شراب اور اس کے پینے پلانے کا سلسلہ انتہا کو پہنچا تو پھر پہلے صلیبیوں کے ہاتھوں عربوں کی مرمت کروائی گئی۔ ۱۰۹۹ء تا ۱۱۸۷ء یعنی ۸۸ برس تک یروشلم ہمارے ہاتھ سے نکلا رہا' صلیبیوں کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد تاتاری طوفان آیا' کروڑوں عرب مسلمان قتل ہوئے' عربوں کی قیادت ختم ہو گئی' خلافت بنوعباس کا چراغ گل ہو گیا' آخری خلیفہ مستعصم باللہ کو گھسیٹ کر محل سے نکالا گیا اور ایک جانور کی کھال کے اندر لپیٹ کر اس پر گھوڑے دوڑا دیئے گئے۔ یہ ہمارا پہلا عروج اور پہلا زوال ہے۔

اس کے بعد پھر اس اُمت پر اللہ کا کرم ہوا کہ وہی تاتاری جنہوں نے کروڑوں مسلمانوں کو مارا تھا' اللہ نے انہیں حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کی توفیق دے دی۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے!

اس کے بعد ترکانِ تیموری' ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی آئے اور پورے عالم اسلام میں ترکوں کے ان مختلف خاندانوں کی حکومت رہی۔ تو ہمارا پہلا دورِ عروج عربوں کے زیرِ قیادت تھا اور دوسرا دَورِ عروج ترکوں کے زیرِ قیادت تھا۔ لیکن اس کے بعد ان کے لچھن بھی وہی ہو گئے جو عربوں کے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیسویں صدی کے آغاز میں عظیم سلطنت عثمانیہ کا نام ونشان تک مٹ گیا جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور جس کے پاس ۴۰۰ برس سے خلافت بھی تھی۔

بیسویں صدی بڑی عجیب صدی ہے۔ دو عظیم جنگیں اس میں ہوئیں' جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم۔ پھر یہ کہ دو عظیم سلطنتیں نسیاً منسیاً ہو گئیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ اور آج سے تقریباً بیس برس پہلے عظیم سوویت یونین (U.S.S.R)۔ بہرحال بیسویں صدی کے آغاز میں ہمارا دوسرا دورِ عروج بھی ختم ہوا اور ہم انگریزوں کے غلام ہو گئے۔ ہندوستان میں بھی انگریز آ گئے۔ کبھی یہ سارا ہندوستان ہمارا تھا۔

آج اگر یہودی کہہ رہے ہیں کہ ''فلسطین ہمارا ہے'' تو ان سے پوچھا جائے کہ تم تو یہاں سے دو ہزار سال پہلے نکال دیئے گئے تھے' ہم تو ابھی دوسو برس پہلے بھی ہندوستان پر قابض تھے' چنانچہ ہندوستان پر تو ہمارا حق بہت فائق ہے۔ ہندوستان ہمارے ہاتھ سے نکلا اور انگریز اس پر قابض ہوئے۔ اسی طرح پورے عالم اسلام پر یورپی اقوام قابض ہوگئیں۔ کہیں فرانسیسی' کہیں ولندیزی اور کہیں انگریز قابض ہو گئے۔ مصر اور عراق میں انگریز آ گئے' شام اور الجزائر میں فرانسیسی آ گئے' لیبیا میں اطالوی آ گئے۔ اس طرح ہم پر نو آبادیاتی نظام (Colonial Rule) مسلط ہوا۔ یہ ہمارا انتہائی زوال کا دَور تھا۔ بیسویں صدی کے شروع میں سلطنت عثمانیہ کے خاتمے پر عالمِ اسلام میں جو صورت حال پیدا ہوئی اس کا نقشہ مولانا الطاف حسین حالی نے بایں الفاظ کھینچا ہے ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے!

یہ مایوسی کی انتہا ہے۔ لیکن اس کے بعد پھر ذرا بلندی کی طرف حرکت شروع ہوئی' بالکل ایسے ہی جیسے ۱۹۱۷ء سے یہودیوں کی Up-ward movement شروع ہوئی۔ وہ دوبارہ ۱۹۴۸ء میں فلسطین میں آئے' ان کا ملک بن گیا اور حکومت قائم ہو گئی۔ ۱۹۶۷ء میں اس کی حدود پھیل گئیں۔ ایسے ہی ملت اسلامیہ کی بھی عروج کی طرف پیش رفت شروع ہوگئی ہے۔ اس کے پہلے مرحلے میں تمام اسلامی ممالک میں آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ اب ہم براہِ راست غلام نہیں رہے' یہاں بھی ہم آزاد ہیں' بنگلہ دیش آزاد ہے' انڈونیشیا آزاد ہے' ملائشیا آزاد ہے' ہندوستان آزاد ہے لیکن وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ پھر یہاں سے موریطانیہ تک آزاد مسلم ممالک ہیں۔ یہ گویا کہ اللہ کی طرف سے ہمارے لئے ایک بہت بڑا امتحان کا مرحلہ آ گیا کہ ٹھیک ہے پہلے تم انگریزوں' فرانسیسیوں' اطالویوں' ولندیزیوں اور ہسپانویوں کے غلام تھے' تم

شریعت پر عمل نہیں کر سکتے تھے' دورِ غلامی میں نماز روزہ تو جاری رہا لیکن باقی شریعت کے احکام تو تم نافذ نہیں کر سکتے تھے' سود کو تم ختم نہیں کر سکتے تھے' زنا پر تم حد جاری نہیں کر سکتے تھے' چور کا تم ہاتھ نہیں کاٹ سکتے تھے' لیکن اب جبکہ تم آزاد ہو گئے ہو اب تو تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن ہوا کیا ہے؟ ان تمام مسلمان ممالک کو آزاد ہوئے تقریباً نصف صدی بیت گئی' مگر ان تمام مسلمان ممالک نے واشنگٹن یا ماسکو کو اپنا قبلہ بنا لیا۔ ہم نے قبلہ بنایا واشنگٹن کو' مصر اور عراق نے بنایا تھا ماسکو کو' سعودی عرب کا قبلہ بہت پہلے برطانیہ تھا پھر امریکہ ہو گیا۔ کسی ایک جگہ بھی ہم نے اللہ کے دین کو قائم نہیں کیا۔ یہ ہے ہمارا وہ جرم جس کی بنا پر ہم اس وقت مغضوب علیہم ہیں۔

ہمیں غرہ ہے کہ ہم تو اُمت مرحومہ ہیں' ہم پر رحمت ہے اللہ کی۔ کہاں ہے وہ رحمت؟ ہے کہیں عزت نام کی شے تمہارے پاس؟ دُنیا کے بین الاقوامی معاملات میں تمہاری کوئی حیثیت ہے؟ کوئی تم سے پوچھتا ہے؟ تمہارے جو سب سے دولت مند ممالک ہیں ان کی دولت بھی دوسروں کے بینکوں میں رکھی ہوئی ہے' اپنے پاس نہیں ہے۔ آج سعودی عرب کی معیشت کا بھی برا حال ہو چکا ہے اور امارات کا بھی۔ خلیج کی جنگ کے حوالے سے امریکہ نے ان کا سارا خون نچوڑ لیا ہے۔ وہ جو اقبال نے ایک کارخانہ دار کے بارے میں کہا تھا ؏

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب!

یعنی یہ سرمایہ دار مزدوروں کے خون سے اپنی شراب کشید کر کے پیتا ہے۔ یہ سرخ پری کہاں سے آئی ہے؟ یہ مزدور کی رگوں میں دوڑنے والے خون سے کشید کی گئی ہے۔ اسی طرح امریکہ نے ان تمام ممالک کا خون چوس لیا۔ اس وقت ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں' کیونکہ ہم نے دُنیا میں کہیں اللہ کے دین کو قائم نہیں کیا۔ ہم اپنے عمل سے اللہ کے دین کو misrepresent کر رہے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر کوئی اسلام کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کر سکتا اور نہ ہی ہمیں دیکھ کر کوئی محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمت کا قائل ہو سکتا ہے۔ دُنیا کا اصول یہ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے' پھل میٹھا ہے یا

نہیں! آج کا مسلمان تو میٹھا پھل نہیں ہے۔ جارج برناڈ شا نے کہا تھا کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں اس سے بہتر کتاب کوئی ممکن ہی نہیں' لیکن جب مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں ان سے زیادہ ذلیل قوم اور کوئی نہیں ۔ یہ بات ہم اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر رہے ہیں ۔ البتہ اب ہم ایک فیصلہ کن دوراہے پر آ گئے ہیں ۔

مسلمانانِ عرب کا شدید ترین جرم

دیکھئے' اُمت کی ایک اور تقسیم میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں ۔ یہ جو ۱۲۰ سے ۱۵۰ کروڑ کی اُمت ہے اس میں سے ۲۰ سے ۳۲ کروڑ تک عرب ہیں' ۱۴ کروڑ ہم پاکستانی ہیں ۔ باقی یوں سمجھئے ہندوستان' بنگلہ دیش' ملائشیا' انڈونیشیا' ایران' افغانستان' روسی ترکستان کے ممالک ہیں' وغیرہم ۔ اُمت کا سب سے اعلیٰ حصہ عرب ہیں ۔ ان کو اللہ نے بہت بڑی فضیلت دی ۔ پہلی فضیلت تو یہ کہ حضور ﷺ خود اُن میں سے تھے : ﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ (الجمعہ:۲) ''وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا'' ۔ اب اس سے بڑی فضیلت کیا ہو گی ع یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ۔ پھر ان کی مادری زبان میں اللہ نے اپنا آخری کلام قرآن مجید نازل فرمایا ۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ ہم عربی زبان سیکھیں' گردانیں رٹیں' چٹائی توڑ محنت کریں تو عربی زبان اتنی آئے کہ قرآن کو سمجھیں ۔ جبکہ ان کی تو اپنی زبان ہے ۔ اگر اس کے باوجود انہوں نے اللہ کے دین کو پیٹھ دکھائی تو ان سے بڑا مجرم اور کوئی نہیں ۔

چنانچہ اُمت مسلمہ کے سب سے بڑے مجرم مسلمانانِ عرب ہیں ۔

یہ کہتے ہوئے مجھے شدید صدمہ ہو رہا ہے کہ عنقریب مشرق وسطیٰ میں جنگ کی بہت بڑی بھٹی دہکے گی اور جس طرح ہٹلر کے ہاتھوں یہودیوں کا Holocaust ہوا تھا اسی طرح کا معاملہ عربوں کے ساتھ بھی ہونے والا ہے ۔ عربوں کو سزا ملے گی اور ملے گی بھی یہودیوں کے ہاتھوں ۔ اللہ نے یہودیوں کی بھی گدی چڑھائی ہے جیسے اُمت مسلمہ کی گدی چڑھ رہی ہے اور ان میں پیچا پڑتا ہے ۔ آپ دیکھ رہے ہیں اس پیچے کا آغاز ہو گیا ہے ۔ یروشلم' مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی میں مسلمان بے دریغ قتل

ہو رہے ہیں' ہزاروں زخمی ہو گئے ہیں اور عرب سربراہانِ مملکت کا حال یہ ہے کہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ تمام عرب سربراہ قاہرہ میں جمع ہوئے مگر ان کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اسرائیل کو الٹی میٹم دیں۔ یہ کہنے کی ہمت بھی نہ ہوئی کہ ہم تمہارے ساتھ تجارتی تعلق ختم کر دیں گے۔ بات بس یہاں تک رہی کہ زیادتی کی ہے' ظلم کیا ہے' تحقیق ہونی چاہئے' فلسطینی بیچارے مر رہے ہیں' چلو ایک بلین ڈالر ہم دے دیتے ہیں تاکہ ان کی کچھ مدد ہو جائے۔ لیکن اس وقت فلسطینی نوجوان عراق اور شام کے سوا سب عرب حکمرانوں سے سخت مایوس ہیں اور ان کے خلاف شدید غم و غصے کے جذبات رکھتے ہیں۔

اب ہو گا یہ کہ جنگ کی بھٹی دہکے گی اور بہت بڑی تباہی آئے گی۔ اس کے بارے میں حضور ﷺ کی احادیث ہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ)) (ابوداؤد وابن ماجہ)

یعنی بربادی اور ہلاکت ہے عربوں کے لئے اس شر سے جو قریب آ چکا ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی شریف میں ہے:

((مِنِ اقْتِرَابِ السَّاعَةِ هَلَاكُ الْعَرَبِ))

یعنی قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہوگی کہ عرب ہلاک کئے جائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے ان پر بڑا فضل فرمایا تھا' ان میں سے اٹھایا محمد ﷺ کو' ان کی زبان میں اپنا کلام اتارا اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود لیا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞﴾ پھر ان کے عمل کا یہ حال ہے کہ اللہ کی کتاب کو پیٹھوں کے پیچھے پھینکا ہوا ہے' اللہ کے قوانین نافذ نہیں ہیں' کہیں کوئی لاء ہے' کہیں کوئی نظام ہے۔ کہیں نظامِ خلافت قائم نہیں کیا۔ ۱۹۲۴ء سے آج تک دُنیا میں خلافت موجود نہیں ہے۔ غور طلب بات ہے کہ اس وقت مسلمانوں کا تو مرکز ہی کوئی نہیں ہے۔ بہر حال ان پر تو اللہ کی بڑی سخت گرفت آ رہی ہے۔ اور یہ بڑے صدمے کی بات ہے' معاذ اللہ ثم معاذ اللہ' کسی مسلمان کو اس سے خوشی نہیں ہو سکتی' لیکن نظر تو یہی کچھ آ رہا ہے۔

اسرائیلی بڑے دھڑلے سے بات کر رہے ہیں' انہیں معلوم ہے کہ ہمارے پیچھے

امریکہ ہے' ہمارے ساتھ NATO (نیٹو) ہے۔ ۶۰'۷۰ کروڑ چینی قومیں ہماری پشت پر ہیں' ہمیں کس کا ڈر ہے؟ خود ہمارے پاس ۱۰۰ سے زیادہ ایٹم بم ہیں' مسلمانوں کے پاس ہے کیا؟ لے دے کر کہیں پاکستان کے پاس ایٹمی صلاحیت موجود ہے' لیکن ان عربوں کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ بہر حال یہ معاملہ ہے جسے میں نے تعبیر کیا ہے ''عالم عرب دورا ہے پر''۔ صورت حال تو آنکھوں کے سامنے بالکل واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کوئی خصوصی کرم فرمائے۔ ورنہ نظر آ رہا ہے کہ عرب میں کوئی بہت بڑی تباہی آنے والی ہے۔

مسلمانانِ پاکستان کا جرم اور اس کی سزا

اب دیکھئے عربوں کے بعد اگلے مجرم ہم ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ چار سو سال سے اللہ تعالیٰ نے اس خطے کو پسند کیا۔ سارے مجددین اُمت پہلے ہزار برس تک عالم عرب میں آئے۔ عمر بن عبدالعزیز' امام ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل' شیخ عبدالقادر جیلانی' امام غزالی' امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ یہ سب عالم عرب میں تھے۔ لیکن جیسے ہی دوسرا ہزار سال شروع ہوا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی' شاہ ولی اللہ دہلوی' سید احمد بریلوی' شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا رحمہم اللہ' یہ عظیم شخصیتیں اللہ نے اس خطے ہندوستان کو عطا فرمائیں۔ پھر بیسویں صدی میں علامہ اقبال جیسا مفکر' مولانا مودودی جیسا مصنف اور مولانا الیاس جیسا مبلغ پوری دُنیا میں کہیں نہیں۔ غور طلب بات ہے۔ مشیت ایزدی نے ہم پر مزید یہ فضل و کرم کیا کہ ہمیں انگریز سے آزادی ملی اور پاکستان کی شکل میں الگ خطۂ زمین بھی مل گیا۔ ہم ہندو کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے' کوئی نہیں سمجھتا تھا کہ پاکستان بن جائے گا' اللہ نے معجزے کے طور پر پاکستان دیا۔ جب خلافت عثمانیہ کے خلاف سازش ہو رہی تھی صرف ہندوستان میں خلافت کی تحریک چلی' پوری دُنیا میں کہیں کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس خطے پر اللہ کی خصوصی نظر کرم ہے۔

یہ ملک معجزے کے طور پر لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔ یہ وہی لیلۃ القدر ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے اور یہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب تھی جس میں

پاکستان وجود میں آیا۔ اس سے ایک سال پہلے رمضان المبارک ۱۹۴۶ء میں مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے عقیدت مندوں سے کہہ دیا تھا کہ ملاءِ اعلیٰ میں پاکستان کے قیام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ یوں سمجھئے ایک سال پہلے کی لیلۃ القدر کے فیصلے کی تنفیذ پھر اگلے سال لیلۃ القدر میں ہوئی۔ بہرحال ہم نے اسلام کے نام پر تحریک چلائی' پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ! ہم نے لاکھوں جانیں قربان کیں' ہزاروں عورتیں اغوا ہوئیں' ہزاروں کی عصمت دری ہوئی۔ یہ مسلمان عورتیں تھیں' یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں تھیں۔ حضور ﷺ کی ازواج پوری اُمت کی مائیں ہیں ﴿وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾ تو پوری اُمت آپ ﷺ اور آپؐ کی ازواج کی اولاد ہو گئی۔ سوچئے کتنی عورتیں ۱۹۴۷ء میں اغوا ہوئی تھیں۔ قیامِ پاکستان کے تقریباً چھ یا سات سال بعد جب یہاں تحریک شروع ہوئی کہ جو مسلمان عورتیں بھارت میں رہ گئی ہیں ان کو وہاں سے بازیاب کیا جائے اور پاکستان لایا جائے تو جو لوگ اس اسکیم کے اندر کام کر رہے تھے انہوں نے بتایا کہ بہت سی مسلمان عورتوں نے یہ کہہ کر پاکستان آنے سے انکار کر دیا کہ تم لوگ اب آئے ہو؟ یہاں ہمارے دو دو' تین تین بچے ہو چکے ہیں۔ اور عورت کے لئے اس کا بچہ تو لختِ جگر ہوتا ہے' وہ اسے کیسے چھوڑ سکتی ہے!

اتنی بھاری قیمت دے کر آپ نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا' لیکن اسلام کہاں ہے؟ ہم نے اللہ سے بے وفائی کی ہے' غداری کی ہے' وعدہ خلافی کی ہے' اور اس کی ایک سزا ہم ۱۹۷۱ء میں بھگت چکے ہیں۔ کتنی بڑی شکست! ہمارا ایک بازو کٹ گیا' اور کٹا بھی کس طرح! آپ کو معلوم ہے دُنیا میں کتنی دیر تک دو جرمنی رہے' مگر کسی نے اپنا نام نہیں بدلا' دو یمن رہے' دو کوریا رہے' لیکن کسی نے اپنا نام نہیں بدلا' مگر مشرقی پاکستان نے نام بدل لیا' مشرقی پاکستان کا اپنا لیبل اتار کر خلیج بنگال میں پھینک دیا ؏ میں باز آیا محبت سے اٹھا لو پاندان اپنا! اور بنگلہ دیش نام رکھ لیا۔ یہ حشر ہوا اس پاکستان کا جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا اور یہ حشر ہوا اس صوبے کا جہاں مسلم لیگ کی ولادت ہوئی تھی (۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس ڈھاکہ میں ہوئی) اور یہ

وہی دھما کہ ہے جس نے کہا دفع ہو جاؤ یہاں سے اب ہمارا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ اس موقع پر اندرا گاندھی نے کہا ''ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا۔'' ہمارے ۹۳ ہزار قیدی اس ہندو کے ہاتھ میں چلے گئے جس پر ہم نے کہیں ہزار برس، کہیں ۸۰۰ برس اور کہیں ۶۰۰ برس تک حکومت کی تھی۔

پاکستان — فیصلہ کن دوراہے پر

سورۃ الروم کی یہ آیت میں نے آغازِ کلام میں تلاوت کی تھی:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (الروم: ۴۱)

''بحر و بر میں فساد رونما ہو گیا لوگوں کے کرتوتوں کے سبب تاکہ مزا چکھائے ان کو اُن کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں''۔

پوری دُنیا میں یا تو کافر ہیں یا مسلمان۔ کافر تو خدا کو مانتے ہی نہیں، جانتے ہی نہیں۔ رہے مسلمان تو وہ بھی اللہ کے دین کو قائم نہیں کیے ہوئے۔ یہ اللہ کے خلاف فساد اور بغاوت ہے۔ اللہ انہیں ان کے کچھ کرتوتوں کی سزا دُنیا میں دے گا، شاید کہ وہ لوٹ آئیں اور اپنی روش سے باز آ جائیں۔ اور اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ سورۃ السجدۃ کی آیت ۲۱ میں آئے ہیں:

﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

''ہم انہیں لازماً مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ لوٹ آئیں''۔

آج ہم اس دوراہے پر کھڑے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے دُنیا میں پیشین گوئیاں ہو رہی ہیں کہ ۲۰۱۵ء یا ۲۰۲۰ء میں پاکستان کے نام سے کوئی ملک دُنیا میں نہیں ہوگا۔ ہمارے ہاں جو مہاجرین کی تحریک ہے، ایم کیو ایم، وہ تو کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کا قیام ایک بہت بڑی غلطی تھی۔ یہ وہی لوگ ہیں جو یہ کہتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنایا

تھا‘ لہٰذا ہمارا حق یہاں زیادہ ہے۔ اور بات غلط بھی نہیں تھی‘ تحریک پاکستان یا تحریک مسلم لیگ اصلاً ان صوبوں کی تحریک تھی جہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے انہیں تو ہندو کا کوئی خوف نہیں تھا۔ کیا صوبہ سرحد والے پٹھانوں کو ہندو کا کوئی خوف ہوسکتا تھا؟ یا صوبہ سندھ کے اندر ہندو سے خوف ہوسکتا تھا؟ ان کے لئے تو خوف کا کوئی سوال نہیں تھا۔ اصل میں تو جو مسلمان پورے ہندوستان میں اقلیتی صوبوں میں پھیلے ہوئے تھے ان کو خوف لاحق تھا۔ کہیں وہ ۱۰ فیصد تھے‘ کہیں ۵ فیصد تھے۔ یہ تناسب رہے گا تو ظاہر بات ہے ان کا کیا بنے گا! ان کی تہذیب‘ ان کا تمدن‘ ان کی ہر شے ختم کر کے رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ اصل تحریک تو وہاں تھی۔ الطاف حسین اگر کہتا تھا کہ ہمارے بزرگوں نے پاکستان بنایا تو غلط نہیں کہتا تھا۔ لیکن آج وہ یہ کہہ رہا ہے کہ پاکستان کا قیام ایک تاریخی غلطی تھی‘ دوقومی نظریہ احمقانہ بات ہے۔ یہ یوں سمجھئے کہ ع آنے والے دَور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!

بہرحال ہماری قسمت تو معلق ہے۔ اگر تو ہم نے یہاں نظامِ دینِ حق‘ نظامِ خلافت قائم کر دیا تو اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوگی۔ ازروئے حدیث نبویؐ زمین اپنے سارے خزانے اگل دے گی اور آسمان اپنی تمام نعمتوں کی بارش کر دے گا۔ وہ وقت آئے گا جس کی خبر دی ہے محمد رسول اللہ ﷺ نے‘ اس لئے کہ حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تھی غلبہ دین حق کے لئے ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ اور حضور ﷺ کی بعثت ہوئی تھی کل نوعِ انسانی کے لئے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾ اور ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا﴾ تو حضور ﷺ کا مقصد بعثت تو اُسی وقت پورا ہوگا جب کُل عالم انسانیت پر اللہ کے دین کا جھنڈا لہرائے گا۔ اور ایسا ہو گا اور ہو کر رہے گا‘ یہ اٹل بات ہے۔

اہل پاکستان کی ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ہمیں یہ خطۂ زمین پاکستان کی صورت میں عطا کیا۔ یہ وہی سرزمین ہے جس کا خواب علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں دیکھا تھا۔ مشرقی پاکستان کا

کوئی تصور انہیں اس وقت نہیں ہو سکا تھا۔ انہوں نے اپنے خطبہ الٰہ آباد میں کہا تھا کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب کے علاقہ میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی' اور اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ دَورِ ملوکیت میں اسلام کے چہرے پر جو داغ دھبے آ گئے تھے ہم انہیں دھو کر صاف کر دیں۔ دورِ بنواُمیہ' دَورِ بنوعباس اور دَورِ سلاطین عثمانی میں لوگوں نے دیکھا کہ جیسے اور بادشاہ ہوتے ہیں ویسے یہ بادشاہ ہیں' جیسے اُن کے محل ہوتے ہیں ویسے ان کے محل ہیں۔ جیسے اُن کی عیاشیاں ہوتی ہیں ویسے ہی ان کی عیاشیاں ہیں۔ چنانچہ اسلام کا چہرہ داغ دار ہو گیا۔ اقبال نے کہا اگر یہ بن گیا تو ہمارے لئے موقع ہو گا کہ پورے اور حقیقی اسلام کی روشن تصویر دُنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ یہ تھا وہ جذبہ جس نے درحقیقت تحریک پاکستان کو مہمیز لگائی۔ بہر حال ابھی ہمارے لئے موقع ہے۔ اور اگر ہم نے کروٹ نہ بدلی اور موقع گنوا دیا تو خاکم بدہن دُنیا کی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہو جائیں گی اور پاکستان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

پاکستان میں آپ نے محل بنا لئے۔ آپ کی بڑی اعلیٰ رہائش گاہیں ہیں۔ ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹیز کے اندر جا کر دیکھئے' معلوم ہوتا ہے سنگ مرمر دھویا گیا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کسی کام نہ آئے گا ع ''دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں''۔ کیا پتہ کون یہاں آ کر رہے اور کس کی حکومت ہو اور مسلمان لاکھوں کروڑوں قتل ہوں' اگر یہاں اسلام نہ آیا تو یہ ہو گا' اس لئے کہ پھر اس ملک کا کوئی جواز ہی نہیں۔ اگر یہی کچھ کرنا تھا تو ملک کے ٹکڑے کیوں کئے؟ یہ لکیر تو مصنوعی لکیر ہے۔ کیا بھارت کے ساتھ ہماری کوئی واقعی فطری حد ہے؟ ہمارے اور بھارت کے درمیان کوئی پہاڑ ہو' کوئی بہت بڑا دریا ہو' کوئی سمندر حائل ہو' کچھ بھی تو نہیں ہے۔ پنجاب کے میدان ایسے چلے گئے ہیں کہ اِدھر بھی کھیت اور اُدھر بھی کھیت۔ بھارت نے خاردار باڑ لگا لی' اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ملک ختم ہو گیا دوسرا شروع ہو گیا۔ آگے چولستان ہے یا سندھ ہے۔ وہاں جو ریت کے ٹیلے ہوتے ہیں وہ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں' آندھی اِدھر کی چلی اِدھر آ گئے اُدھر کی

چلی تو اُدھر چلے گئے۔ اس سے کوئی سرحد بنتی ہے؟ یہ جغرافیائی اعتبار سے خالص مصنوعی ملک ہے۔ اس کی اگر کوئی جڑ بنیاد ہے یا اس کے قائم رہنے کا کوئی جواز اور اس کے استحکام کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ صرف اور صرف نظامِ خلافت کے قیام میں ہے۔ اسی لئے میں اہل وطن کی توجہ اس آیت کی طرف مبذول کراتا رہتا ہوں:

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾ (التحریم:۸)

''اے اہل ایمان! توبہ کرو اللہ کی جناب میں (بڑے خلوص اور اخلاص کے ساتھ) خالص توبہ۔''

خالص توبہ کرو' دھوکے بازی والی توبہ نہیں۔ یہ دھوکے بازی والی توبہ کون سی ہے! یہ کہ تسبیح لے کر بیٹھ گئے اور اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ کا ورد کرنے لگے' لیکن جو حرام خوری کل تھی وہی آج ہے اور وہی کل جاری رہے گی۔ اگر یہ ہے تو یہ دھوکے بازی والی توبہ ہے۔ توبہ تو یہ ہے کہ اگر آپ کی معاش میں اور آپ کی معاشرت میں کوئی فعل شریعت کے خلاف ہے تو آج ہی نکال باہر کریں۔ آج سے توبہ شروع کیجئے۔ اور توبہ کیا ہے؟ اپنے معاشرے اور اپنے گھر میں شریعت کا نفاذ کریں۔ آپ اپنے گھر میں شرعی پردہ نافذ کریں۔ اگر آپ نے یہ نہیں کیا تو کون ذمہ دار ہے؟ ترکی میں تو مسلمان عورت برقع کیا اوڑھے گی سر پر اسکارف نہیں رکھ سکتی۔ لیکن ہم پر تو کسی نے یہ پابندی نہیں لگائی۔ ہم نے برقعے اتارے تو خود اتارے ہیں۔ ہم مجرم ہیں کہ نہیں؟ اگر آپ کی معیشت میں کوئی سود کا معاملہ ہے' کوئی بینک کا معاملہ ہے' آپ نے قرضہ لے کر کوئی حویلی بنائی ہے تو یہ ساری اپنے اختیار کی باتیں ہیں۔ حویلی کو بیچو اور قرضہ واپس کرو! جب تک پاک نہیں ہو جاؤ گے' اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ ختم نہیں کرو گے اللہ کی مدد کیسے آئے گی؟ اور اپنے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ کی مدد کی ہمیں توقع بھی نہیں ہے۔ اسی لئے ہم بھارت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر نہیں کہہ سکتے کہ کشمیر خالی کرو' ورنہ جنگ کے لئے میدان میں آؤ! موقف تو ہمارا حق پر ہے۔ ہمارا کشمیر پر حق ہے' کشمیر ہماری شہ رگ ہے' لیکن اپنا حق لینے کے لئے بھی ہم الٹی میٹم نہیں دے سکتے' اس کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔ آج ہمارا حال بنی اسرائیل جیسا

ہو چکا ہے جن کے بارے میں قرآنِ حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ وَالۡمَسۡكَنَةُ﴾

''ذلت اور کم ہمتی اُن پر تھوپ دی گئی۔''

اس لئے کہ ہمیں یہ توقع ہی نہیں کہ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ کیسے کرے گا! اللہ اور اس کے رسول سے تو ہماری جنگ ہے۔ ہمارا سارا نظامِ معیشت سود پر استوار ہے۔ دس برس ہو گئے فیڈرل شریعت کورٹ نے سود کے خلاف فیصلہ دیا تھا' مگر ابھی تک اس کی تنفیذ کی نوبت نہیں آئی۔ نواز شریف نے پہلے کہا تھا کہ ہم اس کے خلاف کوئی اپیل نہیں کریں گے' پھر اپیل کی اور آٹھ سال گزار دیئے۔ پھر سپریم کورٹ کا بھی فیصلہ آ گیا کہ بینک انٹرسٹ ربا ہے' سود ہے' لہٰذا حرام ہے' لیکن اس فیصلے کی تنفیذ بھی نہیں ہو سکی۔

موجودہ حالات میں اہم ترین بات یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی جگہ پر توبہ کرے' لیکن توبہ زبانی کلامی نہیں' حقیقی اور عملی توبہ۔ توبہ کے ضمن میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تو حقوق اللہ میں کوئی کمی کی ہے' اللہ کے حکم کے خلاف کوئی جرم کیا ہے' اگر حقیقی ندامت ہو' عزمِ مصمم ہو کہ اب دوبارہ نہیں کروں گا' اور اسے بالفعل ترک کر دے تو توبہ پوری ہو گئی' اگرچہ ہو سکتا ہے کہ پھر کچھ عرصے کے بعد کسی وقت کوئی غفلت ہو' کسی وقت جذبات کی رو میں بہہ کر پھر غلط کام کر بیٹھے' پھر توبہ کرے' لیکن ایک دفعہ اس گناہ کو چھوڑ دینا لازم ہے' ورنہ وہ توبہ توبہ ہی نہیں۔ اور اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو جس کا مال ہڑپ کیا ہے اس کا مال واپس کرو' یا اس سے معافی حاصل کرو' یا کسی بھی طرح اس کی تلافی کرو' ورنہ آخرت میں تمہاری نیکیاں اسے دے دی جائیں گی اور اگر تمہارے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو اس کے گناہ تمہارے کھاتے میں ڈال دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ حقوق العباد کو معاف نہیں کرتا۔ یہ ہیں توبہ کی شرطیں۔ چنانچہ توبہ کریں اور اپنی معاش اور معاشرت کو شریعت کے سانچے میں ڈھال دیں' اور پھر یہ باطل نظام جس میں ہم سانس لے رہے ہیں' اور اس میں سانس لینا بھی گناہ ہے' اسے بدلنے کے لئے تن من دھن لگا دیں' اس باطل نظام کو ذہناً قبول نہ کریں' اس کی خدمت نہ کریں' بلکہ

اس کے خلاف جہاد کریں، اس کے خلاف کوشش کریں، اسے ختم کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد کریں۔ یہ دو کام ہم کرلیں گے تو ہماری انفرادی توبہ اللہ کے ہاں صحیح ہو جائے گی۔

یہاں ایک بات یاد رکھئے۔فرض کیجئے کہ میری پوری زندگی کی کوشش کا دُنیا میں ظاہری طور پر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، پھر بھی آخرت میں اللہ کے حضور معذرت پیش کرسکوں گا کہ میں نے اپنی پوری زندگی اسی کام کے لئے لگا دی تھی۔ میں اللہ کے حضور عرض کر سکوں گا کہ اے اللہ! میں نے کوئی جائیداد نہیں بنائی، کوئی دُنیاوی مال و دولت جمع نہیں کیا۔اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو، اپنے گھر والوں کو، اپنی اولاد کو اس کام میں لگا دیا تھا۔میں وہاں ان شاء اللہ سرخرو ہوں گا۔

اگر خدانخواستہ دُنیا میں عذاب الٰہی آ گیا تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بچالیتا ہے جو نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ قانون سورۃ الاعراف میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ ساحل بحر کے قریب آباد تھا۔ مچھلیاں پکڑنا اس کا کاروبار تھا۔سبت یعنی ہفتہ کے دن کاروبارِ دُنیوی شریعت موسوی میں حرامِ مطلق تھا۔ جیسے ہمارے ہاں جمعہ کے دن اذان سے جمعہ کے ادا ہونے تک کاروبار حرام ہے، اسی طرح وہاں پورے دن کا معاملہ تھا۔اب مچھلیوں کو بھی کچھ اندازہ ہو گیا کہ ہفتہ کا ایک دن ایسا ہے کہ کوئی ہمیں چھیڑتا ہی نہیں تو وہ ساحل کے قریب آ کر اٹھکیلیاں کرتیں، چھلانگیں لگاتیں۔لوگ کھڑے دیکھ رہے ہوتے، پکڑ تو سکتے نہیں تھے، ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ اور اگلے دن مچھلیاں گہرے پانی میں چلی جاتیں۔ اُس زمانے میں ابھی وہ وسائل و ذرائع تو تھے نہیں کہ گہرے پانیوں میں جا کر مچھلیاں پکڑی جائیں۔ چنانچہ فاقوں کی نوبت آ گئی۔ یہ اللہ کی طرف سے امتحان تھا۔ ایسے میں ان میں سے کچھ لوگوں نے حیلہ کیا کہ اچھا ایسا کرتے ہیں کہ ہفتہ کے دن ساحل کے ساتھ ساتھ گڑھے کھود دیں گے اور سمندر کا پانی اس میں لے آئیں گے، مچھلیاں بھی آ جائیں گی اور پھر گڑھے کا تعلق سمندر سے بند کر دیں گے، تو ہفتہ کو مچھلی پکڑیں گے نہیں، اتوار کو

آ کر پکڑ لیں گے۔ گویا کہ حکم کی اصل جو حکمت تھی اسے فراموش کر دیا گیا۔ ہفتہ کا دن تو تھا اللہ کی عبادت کے لئے' اس کی کتاب کی تلاوت کے لئے' نوافل کے لئے اور وہ لگ گئے گڑھے کھودنے کے اندر۔ تو مچھلی کے نہ پکڑنے سے تو کچھ نہیں ہوا' جو حکم تھا وہ تو ختم ہو گیا۔ اس پر وہاں قوم تین حصّوں میں تقسیم ہو گئی' ایک وہ لوگ جو یہ غلط کام کر رہے تھے' دوسرے وہ جو خود بھی مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے اور اُس کے ساتھ ساتھ پکڑنے والوں کو روکتے بھی تھے' جبکہ تیسرے وہ تھے جو خود پکڑتے تو نہ تھے مگر روکتے بھی نہ تھے۔ جب عذاب آیا اور اللہ نے ان کی شکلیں بندروں اور خنزیروں جیسی بنا دیں تو اللہ نے ان کو بچا لیا جو روکتے تھے۔

چنانچہ میں اور آپ اپنی زندگی درست کریں اور پہلا کام یہ کریں کہ پہلے اپنی زندگی میں شریعت پر عمل کریں۔ جتنی شریعت پر میں عمل کر سکتا ہوں وہ تو میں کروں' نماز پڑھ سکتا ہوں وہ تو پڑھوں' روزہ رکھ سکتا ہوں وہ تو رکھوں' حج کر سکتا ہوں وہ تو کروں' زکوٰۃ دے سکتا ہوں وہ تو دوں' پھر اپنے گھر میں پردہ نافذ کر سکتا ہوں کروں' سود سے اپنے کاروبار کو پاک کر سکتا ہوں کروں۔ البتہ چور کے ہاتھ نہیں کاٹ سکتا جب تک پورا نظام نہ بدلے' شادی شدہ زانی کو میں رجم نہیں کر سکتا جب تک پورا نظامِ قانون نہ بدلے۔ ہاں جو کر سکتا ہوں وہ تو کروں اور پھر اِس دُنیا میں اِس باطل نظام کے خلاف جنگ کرتے ہوئے اپنی پوری زندگی لگا دوں۔ اب اگر عذاب آئے گا جس کے بارے میں سورۃ الانفال میں فرمایا: ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ ''ڈرو اس عذاب سے کہ جب آئے گا تو صرف ان کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا جنہوں نے گناہ کیا تھا'' (بلکہ دوسرے بھی پس جائیں گے' وہ جو خود تو گناہ گار نہیں تھے لیکن گناہ سے روک بھی نہیں رہے تھے) تو اللہ تعالیٰ اس عذاب سے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والوں کو بچا لے گا۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اور آپ انفرادی سطح پر توبہ کریں۔ جب تک یہ نہیں تو کچھ نہیں' سب باتیں ہی باتیں ہیں۔ نعرے لگانے آسان ہیں' جوش میں آ کر گولیاں کھانا بھی آسان ہے۔

۱۹۵۳ء کی ختم نبوت کی تحریک جو لاہور میں شروع ہوئی تھی' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ پہلا مارشل لاء لگا ہوا تھا' میں اُس وقت میڈیکل کالج کا سٹوڈنٹ تھا۔ گوالمنڈی چوک پر ایک جلوس آ رہا تھا' پولیس والے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ ایک جگہ جب ہجوم کنٹرول سے باہر ہوا تو پولیس نے فائر کھول دیا۔ کئی آدمی گرے۔ اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ لوگ آگے بڑھے' انہوں نے اپنے گریبان کھولے' نعرہ لگایا' ایک شخص کو سینے پر گولی لگی۔ پھر ایک اور برسٹ آیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ دو حقیقی بھائی اس میں ختم ہوئے ہیں' ایک پہلے برسٹ میں اور دوسرا دوسرے برسٹ میں تو جوش میں ایسا ہو جاتا ہے۔ اقبال نے درست کہا ہے۔

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا!

مسلمان مسجد کی حرمت پر تو کٹ مرتا ہے مگر نمازی نہیں بنتا' ختم نبوت پر جان دے دے گا' نبی ﷺ کا اتباع نہیں کرے گا۔

تو ہمارے کرنے کا کام کیا ہے؟ پہلے انفرادی توبہ' اس کے بعد چاہے ہماری اجتماعی جدوجہد دُنیا میں کامیاب ہو یا ناکام' ہمیں کوئی غرض نہیں' ہماری عاقبت درست ہو جائے گی۔ اور اگر دُنیا میں بھی ہماری زندگی میں خدانخواستہ اللہ کا عذاب آ گیا' تو بھی ہمارا بچاؤ ہو جائے گا۔ ہاں مستقبل سے غافل ہو جانا ہرگز دانش مندی نہیں ہے۔ آپ نے سن رکھا ہے ع

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

جو تہہ بر تہہ پیشین گوئیاں آ رہی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاکستان کو محفوظ رکھے۔ پہلے امریکہ میں ایک کتاب چھپی تھی کہ ۲۰۰۶ء میں پاکستان کے چھ حصے ہو جائیں گے' آزاد بلوچستان اس علاقہ کی سب سے زیادہ خوشحال ریاست ہوگی۔ پختونستان' سندھو دیش اور لیاقت پور (کراچی) بھی آزاد ریاستیں ہوں گی۔ پاکستان کے نام سے صرف پنجاب باقی رہ جائے گا جسے سمندر تک رسائی کے لئے سندھ میں سے راستہ دے دیا

جائے گا تاکہ اس کی بھی ایک بندرگاہ ہو اور بحیرۂ عرب تک اس کا بھی ہاتھ پہنچ جائے۔ اور اب تازہ ترین خبر یہ ہے کہ امریکہ کی وزارتِ دفاع کا جو فارن پالیسی ونگ ہے اس کے تھنک ٹینک نے (جو وہاں کے پندرہ عظیم ترین اداروں کے سربراہوں پر مشتمل ہے) یہ کہا ہے کہ ۲۰۲۰ء میں نہ کوئی پاکستان ہوگا نہ افغانستان ——— معاذ اللہ ——— بلکہ اس کے حصے ہو جائیں گے' اس کا کچھ حصہ ایران لے جائے گا' کچھ حصہ بھارت لے جائے گا' کچھ حصہ دوسری ریاستیں ازبکستان اور تاجکستان وغیرہ لے جائیں گی' اور اس طرح پاکستان اور افغانستان دونوں نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔ وہاں تو یہ کہا جا رہا ہے' اور یہاں الطاف حسین جیسے لیڈر بھارت سے کہہ رہے ہیں کہ ہمیں بچاؤ' پنجابی نے ہمیں دبا لیا ہے' ہمارے حقوق غصب کر لئے ہیں۔ ان حالات میں ؎

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

دعا سے اور توبہ سے قضا بدل سکتی ہے۔ قومِ یونسؑ کا معاملہ ایسا ہی ہوا تھا۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم کے کفر' انکار اور اعراض سے ناراض ہو کر اور غصہ میں آکر اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے' انہوں نے عذاب کی خبر دے دی تھی کہ اب فلاں وقت پر عذاب آ جائے گا۔ بس یہ غلطی ان سے ہوئی تھی کہ خود چلے گئے۔ اس لئے کہ رسول اللہ تعالیٰ کی واضح اجازت کے بغیر اپنی جگہ نہیں چھوڑ سکتا۔ لیکن قوم کے خلاف غصہ اتنا تھا' دینِ حق کی حمیت اتنی تھی کہ برداشت نہیں ہوئی' قوم کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس کے بعد جب عذاب کے آثار شروع ہوئے تو قوم نے سوچا کہ یونسؑ ٹھیک کہتے تھے' وہ عذاب آ رہا ہے' تباہی و بربادی ہمارے اوپر آ رہی ہے۔ چنانچہ ساری قوم گھروں سے نکل آئی' کھلے میدان میں آ کر انہوں نے دعائیں مانگنی شروع کیں کہ اے اللہ! ہمیں مہلت دے' اس عذاب کو پھیر دے۔ اللہ نے قومِ یونس کی توبہ قبول کی اور عذاب کو پھیر دیا۔ سورۂ یونس میں فرمایا:

﴿فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَا اِيْمَانُهَا اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ط﴾ (یونس:۹۸)

''پھر کیا ایسی کوئی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اس کا ایمان اس کے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ سوائے قوم یونس کے!''

اور اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کے رسول سے یہ خطا ہو گئی تھی' چنانچہ رسول کا debit قوم کے حق میں Credit ہو گیا۔ لیکن ہمارے ہاں تو کوئی رسول نہیں' ہم تو مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ کرم فرمائے اور ہمیں توبہ کی توفیق دے۔ لیکن اگر خدانخواستہ توبہ نہ ہوئی اور یہاں اسلام نہ آیا تو پاکستان نہیں رہے گا' کیونکہ اس کے رہنے کا پھر کوئی جواز نہیں۔ کیا پاکستان اس لئے بنا تھا کہ تم لوگ اچھے کاروباری ہو جاؤ؟ کیا متحدہ ہندوستان میں مسلمان کاروباری نہیں تھے؟ کیا مسلمان تعلیم یافتہ نہیں تھے؟ کیا یو پی میں مسلمان نہیں تھے؟ کیا بمبئی میں مسلمان نہیں تھے؟ کیا قائداعظم کی وکالت ہندو کے دور میں نہیں چمک رہی تھی؟ ایسی بات نہیں ہے' لیکن بہرحال پاکستان اس لئے نہیں بنا تھا کہ ہم اپنے کاروبار چمکا لیں' بلند و بالا عمارات بنا لیں' ہمیں اونچے اونچے عہدے مل جائیں' ہمارے بڑے بڑے کارخانے بن جائیں اور بس۔ اُس وقت تو یہ کہا گیا تھا ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!''

بہرحال یہاں پر نظامِ خلافت لانے کا جو پہلا قدم ہے وہ انفرادی توبہ ہے۔ یہ انفرادی توبہ اجتماعی توبہ میں بدل جاتی ہے۔ اجتماعی نظام تو اسی وقت آئے گا جب کہ اجتماعی توبہ ہو۔ انفرادی توبہ سے ایک تو عاقبت سنور جائے گی اور دُنیا میں اگر عذاب آئے گا تو اس سے اللہ بچا لے گا' لیکن اگر قوم بچے گی' ملک بچے گا تو اجتماعی توبہ سے۔ اور اجتماعی توبہ کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص توبہ کرے۔ پوری دُنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ ہر شخص نے توبہ کر لی ہو' ہر شخص ایمان لے آیا ہو' البتہ مطلب یہ ہے کہ توبہ کرنے والے' شریعت پر کاربند اور تن' من' دھن اللہ کے لئے لگانے والے اتنی معتد بہ تعداد میں ہو جائیں کہ وہ مل جل کر ایک ایسی طاقت بن جائیں کہ انقلاب برپا کر دیں۔ انقلاب ہمیشہ ایک جماعت لایا کرتی ہے' انقلاب کے لئے تمام عوام نہیں اٹھا کرتے' نہ فرانسیسی انقلاب میں تمام عوام اٹھے تھے نہ بالشویک انقلاب میں تمام روسی اٹھے تھے۔

اور حضور ﷺ کے ساتھ بھی سارا عرب تو نہیں تھا' وہ تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی مختصر سی جماعت تھی' جس کا ذکر قرآن حکیم میں بایں الفاظ ہوا:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

وہ نقشہ تو فتح مکّہ کے بعد کا ہے جو سورۃ النصر میں کھینچا گیا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۞ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۞﴾

جب انقلاب آ گیا اور حضور ﷺ کی حکومت پورے عرب میں قائم ہو گئی تب فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے' ورنہ پہلے کون آتا تھا! حضور ﷺ جیسا داعی' مبلغ' مربی اور مزکی بھلا اور کوئی ہو سکتا ہے؟ لیکن آپؐ کی پورے دس برس کی محنت کا ثمرہ بمشکل ایک سو آدمی تھے۔

اصلاحِ احوال کا واحد راستہ۔ منہج انقلابِ نبویؐ

اچھی طرح جان لیجئے کہ سیرت النبی ﷺ کو پہچاننا' سمجھنا اور اسے بین السطور (Between the lines) پڑھنا' اور اس کے فلسفے کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے لئے میری قریباً ۴۰۰ صفحات کی کتاب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' موجود ہے۔ اس میں اس منہج انقلاب نبویؐ کی ساری تفصیل مذکور ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے:

لَا يَصْلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا

یعنی اس اُمت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہو گی مگر اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی تھی۔ اسی طرح کا مضمون حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قول میں ہے۔ جب انہوں نے اپنے مرضِ وفات کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تو ایک خطبہ دیا' آپؓ نے اس خطبے میں فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا يَصْلُحُ آخِرُهٗ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهٗ

یعنی ہمارا یہ خلافت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا آخری حصہ درست نہیں ہو گا جب تک کہ اسی طریقے پر اصلاح نہ کی جائے جس پر پہلا حصہ درست ہوا تھا۔ اس آخری اور پہلے

حصے کو سمجھنے کے لئے مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت ملاحظہ کیجئے' حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے زمانے سے قیامت تک پانچ ادوار گنوادیئے:

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ((تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ' ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ اِذَا شَآءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ' ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ' فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ' ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَآءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ' ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا' فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ' ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَآءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ' ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًا' فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ' ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَآءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ' ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) ثُمَّ سَكَتَ

یعنی دیکھو مسلمانو! تمہارے درمیان نبوت موجود رہے گی جب تک اللہ چاہے گا۔ یعنی میں موجود رہوں گا۔ جب اللہ چاہے گا نبوت کو اٹھا لے گا۔ یعنی میرا وصال ہو جائے گا۔ ایک دَور ختم ہو جائے گا۔ بہترین دَور تو وہی تھا۔ ((خَيْرُ اُمَّتِيْ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ))۔ پھر دَور آئے گا ((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی' جسے ہم خلافتِ راشدہ کہتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ایک دَور اور آئے گا ((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا)) ملوکیت آ جائے گی اور وہ بڑی ظالم ملوکیت ہو گی۔ وہ ملوکیت جس میں حضرت حسینؓ اپنے اہل خاندان اور ساتھیوں کے ساتھ شہید کر دیئے گئے' عبداللہ بن زبیرؓ اور سینکڑوں تابعی شہید کر دیئے گئے۔ حجاج بن یوسف نے واقعۂ حرہ میں مدینے کی حرمت کو تین دن تک پامال کیا' یہاں تک کہ مسلمان خواتین کی عصمت دری کی گئی۔ یہ ظالم ملوکیت کا دَور ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے بعد چوتھا دَور آئے گا ((ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيًّا)) پھر وہ ملوکیت ایک اور شکل اختیار کر لے گی' غلامی لے کر آئے گی۔ پہلے حاکم بہرحال مسلمان تو تھے' اچھے بھی تھے' برے بھی تھے' لیکن اب کہیں پر برطانوی ملکہ اور کہیں ولندیزی بادشاہ تمہارا حکمران ہو گا۔ لیکن پھر آپؐ نے فرمایا: ((ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ)) پھر ایک دور آئے گا

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا۔ وہ دَور جب آئے گا تو وہ کُل روئے ارضی پر پھیل جائے گا۔اس کے بعد آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔

اس خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے دوبارہ قیام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملک خداداد پاکستان کے ذریعے ایک عظیم موقع عنایت کیا ہے۔سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ نے پرانی تاریخ کے ایک کردار کا ذکر کیا ہے۔اس کا نام ہے''بلعم بن باعورا''۔ یہ بہت عابد وزاہداور صاحبِ کرامت بزرگ تھا' لیکن ایک عورت کے چکر میں پڑ کراس کا سارا تقویٰ اور ساری دین داری ختم ہوگئی۔فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝﴾ (الاعراف:۱۷۵۔۱۷۷)

''اے نبی! انہیں اس شخص کا حال سنایئے جسے ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں (آیات سے مراد علم کتاب بھی ہوسکتا ہے اور کرامات بھی ہوسکتی ہیں) لیکن وہ ان کو چھوڑ کر نکل بھاگا (ایک عورت کے پیچھے) تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا' تو وہ بدترین گمراہی میں پڑ گیا۔(ہم نے جو اسے مقام دیا تھا) ہم چاہتے تو اسے اور بلندی عطا کرتے' لیکن وہ تو زمین کے اندر دھنستا چلا گیا اور اس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کر لی۔اس کی مثال کتے کی سی ہے' اس پر کچھ بوجھ ڈالو گے تب بھی ہانپے گا اور بوجھ نہ ڈالو گے تب بھی ہانپے گا۔یہی مثال اس قوم کی ہے جو ہماری آیات کو جھٹلائے۔پس بیان کیجئے ان حکایات کو شاید کہ وہ لوگ غور کریں۔ بڑی ہی بری مثال ہے ایسے لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' اور وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرتے رہے ہیں۔''

یہ پاکستانی قوم اور مسلمانانِ پاکستان کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ ہمارے کاندھوں پر بھارت کے مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے جنہوں نے

اپنی قیمت پر آپ کو پاکستان لے کر دیا۔ انہوں نے ہندو کا یہ الزام اپنے سر لیا ہے کہ تم نے پاکستان بنوایا' تم نے ہماری بھارت ماتا کے ٹکڑے کروائے۔ چنانچہ ان سے کہا جاتا ہے کہ تم یا تو ہندو مت میں آ جاؤ ورنہ یہاں سے چلے جاؤ۔ اور یہ کہ ''مسلمان کے دو مقام' قبرستان یا پاکستان''۔ پاکستان چلے جاؤ' دفع ہو جاؤ' ورنہ قبرستان میں دفن کر دیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آر ایس ایس کا گرو بال ٹھاکرے کیا کہتا ہے؟ اس سے پہلے کا جو گرو دیورس تھا اس نے تمام سماجی' سیاسی اور مذہبی ہندو تنظیموں کو ایک سرکلر بھیجا تھا کہ اب مسلمانوں پر چوٹ لگانے کا صحیح وقت آ گیا ہے۔ ایودھیا کی مسجد شہید کرنے کے بعد ان کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ انہوں نے دیکھ لیا کہ پوری دُنیا میں کوئی ردعمل ہوا ہی نہیں' ہم نے مسجد گرا دی لیکن کسی مسلمان ملک نے یہ بھی نہیں کہا کہ ہم تم سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیں گے' ورنہ مسجد دوبارہ بنوا دو۔ سعودی عرب اور امارات اگر صرف یہ کہہ دیتے کہ مسجد دوبارہ تعمیر کراؤ' ورنہ ہم تم سے تجارتی تعلقات منقطع کر لیں گے تب بھی بنئے کو دن میں تارے نظر آ جاتے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس پر دیورس نے سرکلر لکھا کہ ''ہمیں اندازہ ہو گیا ہے کہ مسلمان قوم میں اب غیرت نہیں رہی' لہٰذا اب ہمیں کمر کس لینی چاہئے کہ یہاں سے مسلمان اور اسلام کا خاتمہ کر دیں' اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دُنیا میں کہیں ردعمل نہیں ہو گا' تھوڑا بہت ردعمل پاکستان میں یا پھر بنگلہ دیش میں ہو گا' اور اس کی ہمیں پروا نہیں''۔ یہ ہیں ان کے عزائم۔ بھارتی مسلمان نے ہم سے کہا تم جاؤ پاکستان بناؤ' اسلام نافذ کرو' ہم پر جو بھی بیتے گی جھیلیں گے۔ تو گویا ہم صرف اپنے لئے ذمہ دار نہیں' عنداللہ بھارتی مسلمانوں کی ذمہ داری کا فرض کفایہ بھی ہمارے کندھوں پر ہے اور اللہ نے ہمیں اس کا موقع بھی دیا۔

۴۰۰ سال کی مجددین کی تاریخ اور بیسویں صدی کے اعاظم رجال کی داستان آپ کے علم میں ہے۔ ہندوستان میں اٹھنے والی تحریک خلافت سے آپ واقف ہیں' تحریک پاکستان اور اس میں لگنے والے نعرے آپ جانتے ہیں۔ قیامِ پاکستان کا معجزہ آپ نے دیکھ لیا۔ ۱۹۶۵ء میں اللہ نے پاکستان کو کیسے بچایا! ہندو بڑا پراُمید تھا۔ یہاں

تک کہ بی بی سی نے تو خبر دے دی تھی کہ بھارت نے لاہور فتح کر لیا ہے۔ یہ ان کے عزائم تھے۔ ۱۹۷۱ء میں بھی اللہ نے اس پاکستان کو بچایا۔ صدر نکسن نے ہاٹ لائن پر براہِ راست کوسیجن سے بات کی اور اس کے نتیجہ میں اس نے اندرا گاندھی کو فون کیا کہ بس کرو۔ ورنہ ہمارے پاس رہ کیا گیا تھا۔ ہماری ایئر فورس گویا کہ مفلوج ہو چکی تھی۔ بھارتی جہاز کیاڑی پر آ کر ہمارے ایک جہاز کو نشانہ بنا گئے تھے۔ ہمارا دفاع شکر گڑھ اور سیالکوٹ کے علاوہ راجستھان سیکٹر میں بھی ٹوٹ چکا تھا۔ لے دے کر ٹکا خان صاحب ایک ٹاسک فورس لے کر سلیمانکی ہیڈ ورکس کے علاقہ میں موجود تھے۔ حالات ہاتھ سے نکلتے جا رہے تھے' مگر اللہ نے پھر ہمیں موقع دیا...... لیکن اب وہ آخری وقت اور فیصلہ کن مرحلہ آ گیا ہے۔ یا اب' یا پھر کبھی نہیں (Now or never) آج یہاں اسلام نافذ کر لیجئے' ورنہ یہ ملک ختم ہو جائے گا۔ پھر یہ آپ کی جائیدادیں' آپ کے کاروبار اور آپ کی فیکٹریاں آپ کی نہیں رہیں گی۔ پتہ نہیں یہاں کون بیٹھے ہوں گے! بہرحال اگر معتد بہ تعداد میں لوگ انفرادی توبہ کر لیں (یہ تعداد پاکستان کے حوالے سے کم از کم دو لاکھ ہونی چاہئے۔ یعنی کم سے کم دو لاکھ آدمی ایسے ہوں جنہوں نے اپنی ذات پر اور اپنے گھروں میں شریعت نافذ کی ہو' اپنی معاش' معیشت اور معاشرت کو حرام سے پاک کیا ہو) پھر تن من دھن سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوں اور وہ ایک شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں' جو حکم آپ دیں گے مانیں گے' مشورہ ضرور دیں گے' رائے ضرور دیں گے' لیکن فیصلہ ووٹوں کی گنتی سے نہیں ہوگا' فیصلے کا اختیار آپ کو ہوگا۔ اس کا نام بیعت ہے۔ حضور ﷺ نے بھی صحابہؓ سے بیعت لی تھی۔ جب آخری مرحلہ آ رہا تھا اور جنگیں شروع ہونے والی تھیں تو آپ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ لی جس کے الفاظ اس طرح تھے:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ' وَعَلٰى اَثَرَةٍ عَلَيْنَا ' وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ ' وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا ' لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

''ہم نے بیعت کی اللہ کے رسول ﷺ سے کہ آپ کا ہر حکم سنیں گے اور

اطاعت کریں گے' چاہے مشکل ہو' چاہے آسانی ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں' چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دیں' جسے آپ امیر بنائیں گے ہم اس سے جھگڑیں گے نہیں' (اس کا بھی حکم سنیں گے اور مانیں گے) اور یہ کہ حق بات کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں گے' اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈریں گے نہیں۔''

یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے لیا ہے۔ یہی راستہ ہمیں اختیار کرنا ہو گا۔ یہ درست ہے کہ جماعتیں دیگر سطح پر بھی بن سکتی ہیں۔ دستوری جماعت بھی بن سکتی ہے' کوئی حرام نہیں ہے' لیکن مسنون جماعت وہی ہوگی جو اِس مسنون بیعت کی بنیاد پر ہوگی۔ اگر طریقہ وہی لینا ہے جو محمد ﷺ کا تھا تو یہ حضور ﷺ کا روشن طریقہ ہے۔ اس بیعت کا ذکر قرآن میں ہے:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ (الفتح:۱۸)

''اللہ مؤمنوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں کا حال اسے معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں انعام میں قریبی فتح بخشی۔''

اس کے علاوہ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ بھی ہوئی ہیں۔ جب غزوۂ احزاب میں خندق کھودی جارہی تھی' پیٹوں پر بھوک اور فاقے کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے' کمریں دوہری ہورہی تھیں' اُس وقت جب آپؐ کے ساتھی پھاوڑے چلا رہے تھے تو ایک شعر آواز سے آواز ملا کر پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے جہاد کی' اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے''۔

صحیح بخاری کے اندر یہ واقعہ اور شعر موجود ہے۔ تو بیعت کی بنیاد پر جو جماعت بنے گی یہ جماعت نہی عن المنکر باللسان تو فوراً شروع کر دے گی۔ یعنی زبان' قلم' خطوط'

اطاعت کریں گے' چاہے مشکل ہو' چاہے آسانی ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں' چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' خواہ آپ دوسروں کو ہم پر ترجیح دیں' جسے آپ امیر بنائیں گے ہم اس سے جھگڑیں گے نہیں' (اس کا بھی حکم سنیں گے اور مانیں گے) اور یہ کہ حق بات کہیں گے جہاں کہیں بھی ہوں گے' اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے ڈریں گے نہیں۔''

یہ معاہدہ محمد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے لیا ہے۔ یہی راستہ ہمیں اختیار کرنا ہو گا۔ یہ درست ہے کہ جماعتیں دیگر سطح پر بھی بن سکتی ہیں۔ دستوری جماعت بھی بن سکتی ہے' کوئی حرام نہیں ہے' لیکن مسنون جماعت وہی ہوگی جو اِس مسنون بیعت کی بنیاد پر ہوگی۔ اگر طریقہ وہی لینا ہے جو محمد ﷺ کا تھا تو یہ حضور ﷺ کا روشن طریقہ ہے۔ اس بیعت کا ذکر قرآن میں ہے:

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾ (الفتح:۱۸)

''اللہ مؤمنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اُن کے دلوں کا حال اسے معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت نازل فرمائی اور انہیں انعام میں قریبی فتح بخشی۔''

اس کے علاوہ بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ بھی ہوئی ہیں۔ جب غزوۂ احزاب میں خندق کھودی جا رہی تھی' پیٹوں پر بھوک اور فاقے کی وجہ سے پتھر بندھے ہوئے تھے' کمریں دوہری ہو رہی تھیں' اُس وقت جب آپؐ کے ساتھی پھاوڑے چلا رہے تھے تو ایک شعر آواز سے آواز ملا کر پڑھ رہے تھے:

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا
عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے بیعت کی ہے جہاد کی' اب یہ جہاد جاری رہے گا جب تک جان میں جان ہے''۔

صحیح بخاری کے اندر یہ واقعہ اور شعر موجود ہے۔ تو بیعت کی بنیاد پر جو جماعت بنے گی یہ جماعت نہی عن المنکر باللسان تو فوراً شروع کر دے گی۔ یعنی زبان' قلم' خطوط'

نواز شریف نے یہ کر دیا' یا فوجیوں کو گالی دیں گے' یا کوئی مذہبی جلسہ ہے تو فرقہ واریت کی بات ہوگی' دوسروں پر تیکھی تنقید ہوگی۔ مگر میں ان چیزوں سے بے تعلق ہوں۔ مجھے تو صرف یہ یاددہانی کرانا ہے کہ ہمیں مرنا ہے' اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جواب دہی کرنی ہے' اس جواب دہی کی فکر کرو!

جب حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ ''(اے محمدؐ!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو'' تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ایک دعوتِ طعام کا اہتمام کرو اور تمام بنی ہاشم کو بلا لو۔ تمام بنی ہاشم جمع ہوئے' انہیں آپؐ نے کھانا کھلایا' اس کے بعد آپؐ بات کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے ہوٹنگ شروع کر دی اور آپ اپنی بات نہیں کہہ سکے' کیونکہ بنو ہاشم میں ابولہب جیسے لوگ بھی تھے۔ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ کچھ دن کا وقفہ دے کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پھر بلایا اور دوبارہ دعوت کا اہتمام کرنے کو کہا۔ حضرت علیؓ نے پھر آپؐ کے حکم کے مطابق دعوت کا اہتمام کیا' کیونکہ حضرت علیؓ نہ صرف آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے بلکہ آپؐ کے گھر میں رہتے تھے اور آپؐ کے زیر تربیت تھے۔ انہوں نے پھر کھانے کا اہتمام کیا' لوگوں نے کھانا کھایا۔ لوگوں کو شرم آ گئی ہوگی کہ دو مرتبہ کھانا کھا لیا ہے اب تو ان کی بات سن لینی چاہئے۔ اُس وقت آپؐ نے بہت مختصر مگر جامع خطبہ دیا جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ' ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ' ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ' ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءً' وَاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))

''خدا کی قسم! تم سب پر موت وارد ہوگی جیسے کہ تم رات کو سو جاتے ہو' پھر تمہیں لازماً اٹھا دیا جائے گا جیسے تم روزانہ بیدار ہوتے ہو' پھر تمہارا حساب لیا جائے گا اس پر جو عمل تم کر رہے ہو' اور تمہیں بدلہ مل کر رہے گا بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا' پس یا تو جنت ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے یا جہنم ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے''۔

لیکن اس انتہائی پُر تاثیر خطبے کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

ٹیلی گرام، قراردادوں اور رسالوں کے ذریعے منکرات کے خلاف آواز اٹھائے گی کہ یہ حرام ہے اس کو ختم کرو۔ سود حرام ہے، ختم کرو، فحاشی بند کرو، ٹی وی پر فحاشی ختم کرو۔ یہ سارا کام تو کرنا ہی کرنا ہے، لیکن اگر یہ تعداد دو لاکھ تک پہنچ جائے جو تن من دھن لگا دینے کو تیار ہوں تو پھر ہم میدان میں آئیں گے کہ بس اب یہ کام ہم نہیں ہونے دیں گے، گھیراؤ کریں گے، سڑکوں پر آئیں گے۔ نظام کو جامد کریں گے، گولیاں چلاتے ہو تو چلاؤ۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی!

یہ ہے نہی عن المنکر بالید۔ یعنی طاقت کے ساتھ بدی کو روک دینا۔ اس کے لئے حضور ﷺ کی حدیث ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَآی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ، فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ، وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ))

''تم میں سے جو کوئی بھی کسی بدی کو دیکھے اس پر فرض ہے کہ طاقت کے ساتھ اسے روک دے۔ اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے (اسے روکنے کی کوشش کرے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو دل سے (برائی کے خلاف شدید ترین نفرت رکھے اور طاقت جمع کر کے اسے روکنے کا ارادہ کرے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے''۔

ہم اور ہمارا کام

آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی سیاسی لیڈر نہیں، نہ ہی کسی مذہبی فرقے کا راہنما ہوں۔ میرا کوئی فرقہ نہیں، میں تو مسلمان ہوں اور بس۔ کسی فرقہ وارانہ جماعت سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے آج تک الیکشن میں حصہ لیا نہ لینا ہے، اس کوچے کی طرف رخ ہی نہیں کیا نہ کرنا ہے۔ یہ ہمارا طے شدہ موقف ہے۔ ہم تو یہ دعوت دیتے رہیں گے کہ لوگو پہلے خود توبہ کرو ﴿تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا﴾۔ سیاسی لیڈر آ کر دوسروں کو گالیاں دے گا فلاں نے یہ کیا ہے، پیپلز پارٹی نے یہ کر دیا، پیپلز پارٹی والے کہیں گے

نواز شریف نے یہ کر دیا' یا فوجیوں کو گالی دیں گے' یا کوئی مذہبی جلسہ ہے تو فرقہ واریت کی بات ہوگی' دوسروں پر تیکھی تنقید ہوگی۔ مگر میں ان چیزوں سے بے تعلق ہوں۔ مجھے تو صرف یہ یاددہانی کرانا ہے کہ ہمیں مرنا ہے' اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے' جواب دہی کرنی ہے' اس جواب دہی کی فکر کرو!

جب حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ﴿وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴾ ''(اے محمدؐ!) اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کرو'' تو آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ایک دعوت طعام کا اہتمام کرو اور تمام بنی ہاشم کو بلالو۔ تمام بنی ہاشم جمع ہوئے' انہیں آپؐ نے کھانا کھلایا' اس کے بعد آپؐ بات کہنے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے ہوٹنگ شروع کر دی اور آپ اپنی بات نہیں کہہ سکے' کیونکہ بنو ہاشم میں ابولہب جیسے لوگ بھی تھے۔ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ کچھ دن کا وقفہ دے کر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو پھر بلایا اور دوبارہ دعوت کا اہتمام کرنے کو کہا۔ حضرت علیؓ نے پھر آپؐ کے حکم کے مطابق دعوت کا اہتمام کیا' کیونکہ حضرت علیؓ نہ صرف آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے بلکہ آپؐ کے گھر میں رہتے تھے اور آپؐ کے زیر تربیت تھے۔ انہوں نے پھر کھانے کا اہتمام کیا' لوگوں نے کھانا کھایا۔ لوگوں کو شرم آ گئی ہوگی کہ دو مرتبہ کھانا کھا لیا ہے اب تو ان کی بات سن لینی چاہئے۔ اُس وقت آپؐ نے بہت مختصر مگر جامع خطبہ دیا جس میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

((وَاللّٰہِ لَتَمُوْتُنَّ کَمَا تَنَامُوْنَ ' ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ کَمَا تَسْتَیْقِظُوْنَ' ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ' ثُمَّ لَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَبِالسُّوْءِ سُوْءً' وَاِنَّھَا لَجَنَّۃٌ اَبَدًا اَوْ لَنَارٌ اَبَدًا))

''خدا کی قسم! تم سب پر موت وارد ہوگی جیسے کہ تم رات کو سو جاتے ہو' پھر تمہیں لازماً اٹھا دیا جائے گا جیسے تم روزانہ بیدار ہوتے ہو' پھر تمہارا حساب لیا جائے گا اس پر جو عمل تم کر رہے ہو' اور تمہیں بدلہ مل کر رہے گا بھلائی کا بھلا اور برائی کا برا' پس یا تو جنت ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے یا جہنم ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے''۔

لیکن اس انتہائی پُرتاثیر خطبے کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

میری آپ سے گزارش ہے کہ اپنی عاقبت کی فکر کیجئے' اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ بہت سے صحابہ ایسے تھے جو مکّہ ہی میں شہید کر دیئے گئے اور انہوں نے اللہ کے دین کا غلبہ نہیں دیکھا۔ حضرت سمیہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہما دونوں کو شدید اذیت دے کر ابوجہل نے شہید کیا۔ چنانچہ انہوں نے تو غلبۂ اسلام نہیں دیکھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں شہید ہو گئے تھے' انہوں نے تو ۸ ہجری کا وہ منظر دیکھا ہی نہیں جب آپ ﷺ دس ہزار صحابہ کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے مکّہ میں داخل ہوئے۔ لیکن کیا حضرت حمزہؓ ناکام ہو گئے؟ معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ۔ جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں لگا دی وہ کامیاب ہو گئے۔ تو ہماری پہلی دعوت آپ سے یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کیجئے' اپنی عاقبت کی فکر کیجئے' اپنی آخرت کی فکر کیجئے' توبہ کیجئے' حرام چاہے معاش میں ہو یا معاشرت میں نکال کر پھینک دیجئے' پھر طے کیجئے:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانعام:۱۶۳)

''یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے''۔

یہی بات مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ نے کہی تھی۔ اگر ہماری زندگیوں میں وہ دن آ جائے جب اللہ تعالیٰ اتنی طاقت مہیا فرما دے کہ پھر ہم میدان میں اتر سکیں تو زہے نصیب۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ۵۰ ہزار اہل تشیع نے ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں سول سیکریٹریٹ اسلام آباد کا گھیراؤ کر لیا تھا اور کہا تھا کہ یہاں سے نہیں اٹھیں گے جب تک ہمیں زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہیں کیا جائے گا' زکوٰۃ آرڈیننس ہم منظور نہیں کرتے۔ یہ ۱۹۸۰ء کی بات ہے' ابھی مارشل لاء کو تین سال ہوئے تھے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے دو آرڈیننس جاری کئے تھے' زکوٰۃ آرڈیننس اور حدود آرڈیننس' مگر اس احتجاج کے سامنے وہ بے بس ہو گئے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ناک رگڑی اور کہا ٹھیک ہے

تمہیں مستثنیٰ کر دیں گے۔تب وہ اپنا مطالبہ منوا کر اٹھے۔ایران میں ایرانیوں نے کیا کیا؟ واقعہ یہ ہے کہ وہ اہل تشیع ہیں' ہمارا اُن سے اختلاف ہے' لیکن انہوں نے کچھ کر کے تو دکھایا ہے۔

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محو نالہ ٴ جرس کارواں رہے!

انہوں نے اپنی فقہ جعفریہ پر پورے ملک کا نظام کھڑا کر دیا' دستور میں لکھ دیا گیا کہ ہمارے ملک کا پبلک لاء فقہ جعفریہ ہوگا' ہاں پرسنل لاء میں کوئی حنفی ہو' شافعی ہو' اسے اجازت ہے کہ نماز روزہ اپنے طریقے پر کرے' شادی بیاہ اپنے طریقے پر کرے' لیکن قانونِ ملکی (Law of the Land) فقہ جعفریہ ہوگا۔ چنانچہ وہاں اپنے علماء کی حکومت قائم کر لی۔جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے ملک بنایا اسلام کے نام پر اور آج ۵۳ برس ہو گئے لیکن اسلام یہاں نہیں ہے۔بہر حال اب یہ معاملہ Critical Point پر پہنچ گیا ہے' یا مراد پالیں گے یا نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔اور کیا عجب کہ" ع

"کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!"

کے مصداق ہمیں یاد آجائے کہ ہماری منزل تو نظامِ مصطفیٰ ﷺ اور حکومت الٰہیہ کا قیام تھا' ہم تو علامہ اقبال کے قول کے مطابق دورِ ملوکیت سے پہلے کا اسلام یعنی خلافت راشدہ والا اسلام قائم کرنا چاہتے تھے۔اب تک تو ہم ناکام رہے' سزا کا ایک کوڑا ہم پر برس چکا ہے' ملک دولخت ہوا' ہمارے ۹۳ ہزار قیدی ہندو کے ہاتھ میں گئے۔اب کہیں پھر ایسا نہ ہو۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (السجدۃ: ۲۱)

"ہم انہیں مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ ہوش میں آجائیں"۔

کفار کے حق میں یہ بڑا عذاب آتا رہا ہے۔دُنیا میں کسی قوم کے اندر جب کوئی رسول بھیجا گیا تو اسے معجزات دیئے گئے' اس کو اللہ نے اپنا کلام عطا فرمایا' اس نے

دعوت و تبلیغ کے ذریعے اتمامِ حجت کر دیا‘ لیکن پھر بھی قوم کفر پر اڑی رہی تو وہ قوم نسیاً منسیاً کر دی گئی‘ ہلاک اور برباد کر دی گئی‘ اس کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے مکی سورتوں میں کم از کم دس جگہ تباہ ہونے والی اقوام یعنی قومِ نوح‘ قومِ لوط‘ قومِ ثمود‘ قومِ عاد اور قومِ شعیب کا ذکر ہوا۔ آلِ فرعون کی طرف موسیٰؑ بھیجے گئے۔ ان قوموں پر عذابِ استیصال نازل ہوا۔ اَصْلٌ کہتے ہیں جڑ کو۔ اگر کسی نے درخت کو جڑ سے اکھیڑ دیا تو اس کے دوبارہ اُگنے کا کوئی سوال نہیں۔ اگر اس کی جڑ باقی ہے اور آپ نے تنا کاٹ دیا تو ہو سکتا ہے دوبارہ اس میں سے شاخ نکال لے اور درخت بن جائے۔ استیصال کہتے ہیں جڑ سے اکھیڑ دینا۔ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے: ﴿كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا﴾ ’’ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں‘‘۔ یہ عذاب ہوتا ہے ان قوموں کے لئے جن کی طرف رسول آئے۔

یہی عذابِ اکبر یہودیوں پر آنا ہے۔ ان کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے تھے‘ مگر انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی بات نہیں مانی اور انہیں اپنے بس پڑتے سولی پر چڑھا دیا‘ اگرچہ اللہ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ اب جو حالات پیدا ہو رہے ہیں اور یہودیوں کی پتنگ اوپر چڑھتی جا رہی ہے اور دوسری پتنگ اُمتِ مسلمہ کی ہے‘ اس بیچ میں یہودیوں کے ہاتھوں عربوں پر شدید ترین عذابِ الٰہی آئے گا۔ اس کو مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کہا کرتے تھے ’’راجپوت کو چمار کے ہاتھوں جوتے لگوانا‘‘۔ مشرقی یوپی کے علاقے میں راجپوت رہتے تھے۔ ان کے ہاں ایک رسم تھی کہ اگر کوئی نوجوان کوئی بڑی غلط حرکت کرتا تھا تو اسے چمار کے ہاتھوں جوتے لگواتے تھے تاکہ اس کی از حد توہین اور تذلیل ہو۔ یہ یہودی گویا چمار ہے‘ یہ مغضوب علیہم ہیں‘ ان کے ہاتھوں اُمتِ محمدیؐ کا جو بہترین حصہ تھا ان پر عذاب آ رہا ہے۔ پھر پاکستان کا معاملہ ابھی Hanging in the balance ہے۔ ہم اگر یہاں اسلام نافذ کر لیں تو فہو المطلوب۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

اب بھی اگر انفرادی توبہ اس سطح پر ہو جائے کہ وہ اجتماعی توبہ بن جائے تو نظامِ باطل کو بدل کر نظامِ حق نافذ کیا جا سکتا ہے۔ پھر اللہ کی رحمتیں آئیں گی' اللہ کی مدد آئے گی۔ اس کی خبر محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے' فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:
''میری اُمت کے دو گروہ وہ ہوں گے جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی' ایک وہ لشکر جو ہند پر حملہ آور ہو گا اور دوسرا وہ لشکر جو عیسیٰ بن مریمؑ کے ساتھ مل کر جہاد کرے گا''۔
قیامت کے قریب دِمشق میں عیسیٰ بن مریم کا نزول ہونا ہے جب کہ یہ بھٹی دہکے گی اور یہودیوں کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔ اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ اُن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضرت نوحؑ کی نگاہوں کے سامنے پوری قوم غرق ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت نوحؑ کا اپنا بیٹا تک غرق ہوا۔ حضرت ہودؑ کے سامنے ان کی پوری قوم' قومِ عاد تباہ ہوئی۔ حضرت صالحؑ کے سامنے قومِ ثمود برباد ہوئی۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰؑ کے ہاتھوں یہود کا قلع قمع ہونا ہے' وہ نسیاً منسیاً ہو جائیں گے' ان کا وجود نہیں رہے گا۔ حدیث میں آتا ہے جہاں تک حضرت مسیحؑ کے سانس کا اثر یا نگاہ پہنچے گی وہاں تک سارے یہودی پگھل کر رہ جائیں گے۔ درخت اور پتھر پکاریں گے کہ اے مسلمان! میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے' سوائے ایک درخت ''غرقد'' کے' یہ یہودیوں کا ساتھی ہے اور آج اسرائیل میں اس درخت کی سب سے زیادہ کاشت ہو رہی ہے۔ وہ ان چیزوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ وقت آنے والا ہے۔ لیکن اس سے پہلے جو وہاں ہو گا اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پاکستان میں کتاب و سنت کا نظام عملاً برپا کر دینا بہت آسان ہے۔ ہمارے دستور میں یہ مشین تیار ہے' صرف اسے روکا ہوا ہے' چلنے نہیں دیتے' پابندیاں لگائی ہوئی ہیں' ورنہ دستور کے اندر قراردادِ مقاصد موجود ہے جس میں اللہ کی حاکمیت درج ہے۔ دفعہ ۲۲۷ کی رو سے ''کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے منافی نہیں ہو سکتی''۔ لیکن اسے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے ساتھ باندھ دیا گیا ہے کہ یہ دیکھتی رہے گی اور سفارشات پیش کرتی رہے گی۔ مگر اس کا کوئی ذکر نہیں کہ ان سفارشات کا کیا بنے گا۔

لہٰذا ان کی سفارشات سے الماریاں بھر گئیں' مگر تنفیذ کا مرحلہ نہیں آیا۔ ضیاء الحق مرحوم نے پہلے شریعت کورٹ قائم کی' مگر اس پر دو ہتھکڑیاں ڈال دیں اور اسے دو بیڑیاں پہنا دیں کہ دستورِ پاکستان اس کے دائرۂ اختیار سے خارج' عدالت کے ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری اس کے دائرے سے خارج' مسلم فیملی لاز اس کے دائرے سے خارج' اور دس برس تک مالی قوانین بھی خارج۔ وہ دس برس ختم ہوئے تو ایک ہتھکڑی کھل گئی اور فیڈرل شریعت کورٹ نے بینک انٹریسٹ کو ربا قرار دے کر حرام قرار دے دیا جس کی ابھی تک تنفیذ کی نوبت نہیں آئی۔

ہم یہ امید تو ظاہر کرتے ہیں کہ اللہ کا فضل و کرم ہو جائے گا' لیکن اللہ کے کرم کا اپنے آپ کو مستحق ہمیں خود بنانا پڑے گا۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں کر لیں' پھر اللہ سے دعا مانگیں اور اپنی جان اور مال کو بچا کر نہ رکھیں ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے تیرا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئنہ ساز میں

اگر میں کہوں کہ میں کچھ نہیں کروں گا' اے اللہ ایسا ہو جائے' تو اللہ قطعاً ایسا نہیں کرے گا۔ جو بھی تم کر سکتے ہو کر گزرو' پھر اللہ سے دعا مانگو تو اللہ تمہاری دعا سنے گا اور قبول کرے گا۔ لہٰذا تنظیم اسلامی اس راستے پر کام کر رہی ہے۔ یہ نہ کوئی مذہبی فرقہ ہے نہ کوئی سیاسی جماعت ہے۔ ۲۵ برس اسے قائم ہوئے ہو گئے ہیں' نہ الیکشن میں آج تک آئی نہ آئے گی۔ کسی کی سیاسی حریف ہے نہ حلیف ہے۔ اس کوچہ میں قدم ہی نہیں رکھا' سوائے اس کے کہ میں نے دو مہینے ضیاء الحق صاحب سے دھوکا کھایا تھا کہ یہ واقعی اسلام کا کوئی کام کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے وزارت کی پیشکش کی تھی' اسے میں نے رد کر دیا تھا۔ انہوں نے اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر نور الٰہی صاحب کو میرے پاس بھیجا کہ ڈاکٹر صاحب سے کہئے کہ کام کرنا ہے تو اب آگے آئیں' وزارت قبول کریں۔ میں نے کہا ان سے کہہ دیجئے: اوّل میں اس کا اہل نہیں' ثانیاً آپ نے کام کچھ کرنے نہیں دینا' اصل میں تو حکومت ہے فوج کی' فیصلے تو جرنیل مل کر کریں گے اور ناکامی ہمارے کھاتے میں آئے گی کہ یہ لوگ نااہل تھے' لہٰذا میری معذرت ہے۔ انہوں نے کہا:

ٹھیک یہی بات میں ان سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے توقع ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ کہیں گے۔ ڈاکٹر نور الٰہی صاحب میرے دروس میں شرکت کرتے تھے' انجمن خدام القرآن کے مؤسسین میں شامل ہیں۔ بہرحال جب مجلس شوریٰ بنائی تو کہا شوریٰ میں آ جائیں' میں نے کہا ٹھیک ہے شوریٰ میں تو مشورہ دینا ہے' مشورہ تو میں مسجد دار السلام میں خطاب کرتے ہوئے بھی دیتا ہوں کہ یہ کرو یہ نہ کرو' تلقین بھی کرتا ہوں' مشورے بھی دیتا ہوں' تو اگر میں کوئی بات ضیاء الحق صاحب سے کہہ سکتا ہوں اور شوریٰ میں بیٹھ کر مشورہ دے سکتا ہوں تو ٹھیک ہے۔ بس یہ دھوکہ دو مہینے میں نے کھایا ہے۔ اس کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان کا کرنے کا کچھ ارادہ نہیں ہے' صرف امریکن رائے عامہ کو دھوکہ دینا مقصود ہے کہ میری حکومت خالص فوجی حکومت نہیں ہے' بلکہ اس کے ساتھ کچھ سویلین بھی ہیں' تو میں استعفاء دے کر چلا آیا۔

بہرحال یہ ہے انقلاب کا طریقۂ کار' ہم اسے نہی عن المنکر بالید کے ذریعے سے جانیں دے کر' خون دے کر اختیار کر سکتے ہیں۔ میری بات جان لیجئے! سب سے بڑے داعی' سب سے بڑے مبلغ' سب سے بڑے Reformer' سب سے بڑے مربی' سب سے بڑے مزکی محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔ انہوں نے بھی جب انقلاب برپا کیا تو ہاتھ میں تلوار لینی پڑی۔ آپؐ کی انقلابی جدوجہد میں کئی سو صحابہ کی جانیں گئی ہیں۔ ذرا سوچئے ہم ہزاروں لاکھوں کی جان ایک صحابی کی جان کے برابر نہیں ہے۔ سیدنا حمزہ اسد اللہ واسد رسولہ کو دیکھئے' ان کی لاش حضور ﷺ کے سامنے اس حال میں آئی ہے کہ ناک کٹی ہوئی ہے' کان کٹے ہوئے ہیں' پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبایا گیا ہے۔ یہ سارا منظر آپؐ نے دیکھا۔ خود حضور ﷺ کا خون دو دفعہ زمین میں جذب ہوا ہے' طائف کے بازاروں میں بھی ہوا اور اُحد کے میدان میں بھی ہوا۔ اس کے بغیر اسلام نہیں آ سکتا۔ ووٹوں کی بھیک مانگ کر اسلام نہیں آ سکتا۔

میں ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہوا تھا تو اسی اصول پر ہوا تھا' ورنہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک دس برس میرے شب و روز جماعت اسلامی کی تحریک کے لئے وقف تھے' سات برس تک اسلامی جمعیت طلبہ میں اور تین برس جماعت اسلامی

کے رکن کی حیثیت سے‘ لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ ہاں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے طریق کار کو اپنانا ہوگا‘ اس فرق کے ساتھ کہ وہاں آپؐ کے مقابل کافر تھے لہٰذا تلوار استعمال ہو سکتی تھی‘ یہاں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ یہاں اِدھر بھی اسلام اُدھر بھی اسلام۔ بھٹو صاحب کون تھے؟ مسلمان! بے نظیر کون تھی؟ مسلمان! حافظ الاسد کون تھا؟ مسلمان! حسنی مبارک کون ہے؟ مسلمان! لہٰذا مد مقابل فریق پر گولی چلانا ممنوع ٹھہرا اور ویسے بھی حکومت کی قوت بے پناہ اور عوام نہتے ہوتے ہیں‘ لہٰذا غیر مسلح بغاوت یعنی یک طرفہ جنگ کا راستہ ہے کہ نکل آؤ میدان میں نظام کو روکنے کے لئے‘ پھر گولیاں چلیں تو جانیں دیں۔

باقی سارا عمل وہی ہوگا۔ یعنی دعوتِ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کے ذہنوں کو بدلنا‘ سوچ کو بدلنا‘ قرآن کے ذریعے تزکیہ کرنا۔ قرآن شِفَـاءٌ لِّـمَـا فِی الصُّدُوْرِ ہے۔ پھر اِن لوگوں کو بیعت کی بنیاد پر جمع کرنا‘ اور جب تک تعداد کافی نہیں ہے نہی عن المنکر باللسان‘ امر بالمعروف باللسان اور دعوت اِلی الخیر باللسان کا فریضہ انجام دیتے رہنا۔ از روئے حکم قرآنی:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: ١٠٤)

”تم میں سے ایک ایسی جماعت وجود میں آنی چاہئے جو (صرف یہ تین کام کرے:) بھلائی کی دعوت دے‘ نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور صرف وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے“۔

میرے بھائیو! ہم کوشش کریں کہ ان فلاح پانے والوں میں شامل ہو جائیں۔ ہماری زندگی کا لائحہ عمل دعوت اِلی الخیر‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بن جائے۔ اور جیسا کہ حدیث میں آیا ہے نہی عن المنکر کے تین درجے ہیں‘ اور آخری یہ ہے کہ دل سے اس برائی کے خلاف شدید ترین نفرت ہو۔ اگر یہ بھی نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے۔ مزید یہ کہ زبان سے یعنی ذرائع ابلاغ کو استعمال میں لاتے ہوئے بدی کے خلاف جہاد کیجئے اور جب طاقت ہو تو میدان میں آ کر کہہ دیجئے کہ اب ہم یہ کام نہیں کرنے دیں گے‘ یا یہ نہیں یا ہم نہیں‘ ہم یہ سودی معیشت کا نظام نہیں چلنے دیں گے۔

الحمد للہ کہ میں ۱۹۵۱ء سے قرآن مجید پڑھ بھی رہا ہوں اور درس قرآن بھی اسی زمانے سے دے رہا ہوں' جو جمعیت طلبہ کے زمانے میں ہی مقبول ہو گیا تھا' تو نصف صدی پوری ہو چکی۔ بقول حفیظ ؏

''یہ نصف صدی کا قصہ ہے دو چار برس کی بات نہیں!''

تعلیم و تعلّم قرآن' قرآن سیکھنا اور سکھانا' پڑھنا اور پڑھانا' سمجھنا اور سمجھانا' اس پر میں نے اپنی زندگی کے ۵۰ برس لگا دیئے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی بندۂ مؤمن غلبۂ باطل کے تحت زندگی گزار رہا ہو تو اس کا پہلا اور اہم ترین فرض یہ ہے کہ غلبۂ باطل کو ختم کرنے کی اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد کرے۔ اگر یہ نہیں کرتا تو اس کی نماز بھی اللہ کے یہاں قبول نہیں ہو گی' کیونکہ اللہ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ طاغوت کا انکار بھی ضروری ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ﴾

''اور جس نے انکار کیا طاغوت کا اور ایمان لایا اللہ پر۔''

اگر کسی کی طاغوت سے تو دوستی ہے' طاغوت کی وہ چاکری کر رہا ہے' طاغوت کی ملازمت کر رہا ہے اور پھر وہ نماز بھی پڑھ رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نماز کو اس کے مُنہ پر دے مارے گا۔ یہ جدوجہد لازم ہے اور یہ ویسا ہی فرض ہے جیسے نماز' اور اس جدوجہد کے لئے التزامِ جماعت شرط ہے' جیسے نماز کے لئے وضو۔ یعنی یہ فرض جماعت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا۔ جان لیجئے کہ اقامت دین کی جدوجہد' غلبۂ دین کی جدوجہد' نظامِ خلافت کو قائم کرنے کی جدوجہد' حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی جدوجہد کو اولیت حاصل ہے۔ یہ جدوجہد فرضِ عین ہے اور اس کے لئے التزامِ جماعت شرطِ لازم ہے۔

اقامت دین کے لئے مطلوبہ جماعت کے اوصاف

اب آپ دیکھیں کہ کون کون سی جماعت کیا کر رہی ہے؟ کس طور سے کر رہی ہے؟ اقامت دین کی دعوے دار جماعت کو اگر آپ پرکھنا چاہیں تو مندرجہ ذیل چار اوصاف کے حوالے سے پرکھ سکتے ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ ان کا معین ہدف (Declared Goal) اقامت دین ہونا چاہئے' اس سے کمتر نہیں۔ صرف تعلیم و تدریس' صرف تبلیغ کافی نہیں۔ جدوجہد کا مقصد اقامت دین کی جدوجہد ہونا لازمی ہے۔

(۲) ان کا طریقہ کار دیکھئے' آیا سیرت النبی ﷺ کے مطابق ہے؟

(۳) نظم جماعت بیعت کے طریق کار پر مبنی ہونا چاہئے۔

(۴) اس کی قیادت کے قریب ہو کر دیکھئے' آیا خلوص کی خوشبو آتی ہے یا دکان داری اور کاروباری ہونے کی بدبو آ رہی ہے۔

یہ چار چیزیں تلاش کیجئے۔ جس جماعت پر دل ٹھک جائے اس میں شامل ہو جائیں۔ ایک ہم بھی ہیں۔ ہماری چھوٹی جماعت ہے' جماعت اسلامی بڑی جماعت ہے' جے یو آئی فضل الرحمٰن گروپ بڑی جماعت ہے' سمیع الحق صاحب کی جماعت بھی بڑی ہے۔ آپ غور کیجئے' جس پر دل ٹھک جائے اس میں شامل ہو جائیں' لیکن اس جدوجہد سے فارغ نہ رہیں' اس سے بَری کوئی نہ رہے' اس لئے کہ اگر یہ جدوجہد نہیں ہے تو پھر ایمان معتبر نہیں ہے۔ آپ جماعت کی تلاش میں جو جدوجہد کریں گے وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ شمار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق دے۔ باقی جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہ بھی دیکھ لیں۔ ہماری کتابیں ہیں' آڈیو اور ویڈیو کیسٹس ہیں' سی ڈیز ہیں' آپ انہیں ملاحظہ فرمائیے۔ اب ارادہ کرنا اور اس کے لئے کمر کسنا آپ کا کام ہے:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۞ لَاشَرِیْکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۞﴾

اس طرح کم از کم اپنی نجات کا سامان تو ہو جائے گا۔ اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں واقعتاً اس ملک کے اندر اسلام کا نظام قائم کر دے اور پھر یہ سلطنت خداداد پاکستان دُنیا میں اسلام کے غلبے کا نقطۂ آغاز بن جائے! وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ!!

اقول قولی هذا واستغفر اللّٰه لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

(یہ خطاب ۱۰/اگست ۲۰۰۰ء کو گوجر خان میں کیا گیا۔)

تاریخِ تنظیم اسلامی

مرتب: انجینئر نوید احمد

۱۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تنظیم اسلامی کی امارت سے اپنی پیرانہ سالی اور بعض عوارض کی وجہ سے استعفاد دے دیا اور ان کی جگہ محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب منصبِ امارت پر فائز ہوئے۔ گویا اس تاریخ کو تنظیم اسلامی کی تاریخ کے دورِ ثانی کا آغاز ہوا۔ اسی حوالے سے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ تنظیم اسلامی کی اب تک کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈال لی جائے تاکہ اندازہ ہو کہ اس قافلہ نے کب آغازِ سفر کیا تھا، اب تک کتنی منزلیں طے کی ہیں اور اس وقت کہاں کھڑا ہے۔

تنظیم اسلامی ایک ایسی جماعت ہے جس کی اساس داعی و بانیٔ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ شخصی بیعت پر قائم کی گئی۔ لہٰذا تنظیم اسلامی کی تاریخ کا بڑا گہرا ربط ہے داعیٔ تنظیم اسلامی کے تحریکی پس منظر سے۔ اس بنا پر تاریخِ تنظیم اسلامی کے بیان کا آغاز ہوگا داعیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دینی اعتبار سے تحریکی زندگی کی ابتداء سے۔

داعیٔ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دینی اعتبار سے تحریکی زندگی کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ہوا۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں آپ ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور F.Sc. کی تعلیم کے لئے لاہور کے علاقہ کرشن نگر (اسلام پورہ) میں رہائش اختیار کی۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۴۹ء کے دوران آپ اس علاقہ میں حلقہ ہمدردانِ جماعت اسلامی سے وابستہ رہے۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء تک محترم ڈاکٹر صاحب کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور

میں زیرِ تعلیم رہے اور اس دوران اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک فعال رکن کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۵۰ء میں ناظم اسلامی جمعیت طلبہ' کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کی ذمہ داری پر فائز ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ نے بیک وقت ناظم اسلامی جمعیت طلبہ لاہور اور پنجاب کے مناصب پر کام کیا۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کو ناظمِ اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان بنا دیا گیا۔

ایک حدیثِ مبارکہ ہے" اِنَّـهٗ لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِـجَمَاعَةٍ "-" یقیناً اسلام ہے ہی نہیں بغیر جماعت کے "۔ (سنن دارمی)۔ لہٰذا ۱۹۵۴ء میں جیسے ہی ڈاکٹر صاحب نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کی اور آپ کا دورِ طالب علمی ختم ہوا' آپ نے فوری طور پر جماعتِ اسلامی کی رکنیت کے لئے درخواست دے دی' کیونکہ آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی ایک شب بھی جماعتی زندگی کے بغیر بسر ہو۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۵۷ء تک آپ جماعتِ اسلامی کے رکن رہے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کو امیر جماعتِ اسلامی منٹگمری (حال ساہیوال) بنا دیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں جماعتِ اسلامی ایک بحران سے دوچار ہوگئی۔ ارکانِ جماعت میں جماعتِ اسلامی کے طریقۂ کار کے حوالے سے شدید بے چینی پائی جاتی تھی۔ اس حوالے سے ارکانِ جماعت کی آراء جاننے کے لئے ایک جائزہ کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے پورے پاکستان کا دورہ کر کے بے چینی محسوس کرنے والے ارکانِ جماعت سے ملاقاتیں کیں۔ جائزہ کمیٹی میں مولانا عبدالجبار غازی صاحب' مولانا عبدالغفار حسن صاحب اور شیخ سلطان احمد صاحب شامل تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے جماعتِ اسلامی کے طریقۂ کار یعنی انتخابی سیاست میں حصّہ لینے کے حوالے سے اپنا اختلاف "تحریکِ جماعتِ اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ" کے عنوان سے تحریری صورت میں جائزہ کمیٹی کے سامنے پیش کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا مودودی صاحب کی تحریروں کا موازنہ کر کے ثابت کیا کہ ۱۹۴۷ء سے قبل جماعتِ اسلامی ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت تھی لیکن اس کے بعد اس نے نیچے اتر کر ایک اسلام پسند قومی

سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر لی ہے۔اس تحریر سے جماعت اسلامی کے اکابرین میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی اوران کی اکثریت نے ڈاکٹر صاحب کی اختلافی رائے سے اتفاق کیا۔امیرِ جماعتِ اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب انتخابی سیاست میں حصّہ لینے کے حق میں تھے لہٰذا اکابرینِ جماعت کی اکثریت جماعت سے علیحدہ ہو گئی۔بعدازاں جماعتِ اسلامی میں اختلافِ رائے کے اظہار پر بھی کچھ پابندیاں لگادی گئیں،لہٰذا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی اپریل ۱۹۵۷ء میں جماعتِ اسلامی کی رکنیت سے استعفاء دے دیا۔

۱۹۵۷ء سے ۱۹۶۰ء تک جناب ڈاکٹر صاحب جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین کو ایک نئی جماعت کی تشکیل پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔اس دوران آپ نے کچھ وقت تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی لگایا۔۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۱ء کے دوران آپ نے منٹگمری میں عوام الناس کے لئے حلقۂ مطالعہ قرآن کا آغاز کیا اور طلبہ کی دینی واخلاقی تربیت کے لئے اسلامک ہاسٹل منٹگمری قائم کیا۔

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران ڈاکٹر صاحب اپنے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے کاروباری معاملات میں تعاون کے لئے کراچی میں مقیم رہے۔اس عرصہ میں آپ نے شہرِ کراچی کے مختلف مقامات پر دروسِ قرآن دینے کا سلسلہ جاری رکھا۔۱۹۶۵ء میں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات فرسٹ پوزیشن کے ساتھ پاس کیا۔اسی سال کے اواخر میں آپ مستقل طور پر لاہور منتقل ہوگئے۔

۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے جاری کردہ ماہانہ رسالے ''میثاق'' کی دوبارہ اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے ایک جماعت کے قیام کی کوشش کی خاطر آپ نے جماعتِ اسلامی کے طریقۂ کار کے حوالے سے اپنی اختلافی تحریر ''تحریکِ جماعتِ اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ'' کو کتابی صورت میں شائع کردیا۔پاکستان اور بھارت کے علمی حلقوں کی طرف سے ایک طرف تو اس تحریر پر بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا گیا اور دوسری طرف ان حضرات پر تنقید

بھی ن ی جو جماعت اسلامی سے تو علیحدہ ہو گئے لیکن انہوں نے نعم البدل کے طور پر خود کوئی جماعت نہیں بنائی۔ ان حضرات کو محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر کے دیباچہ میں نئی جماعت کے قیام کے لئے ان الفاظ میں آمادہ کرنے کی کوشش کی۔

''حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کی حیاتِ طیبہ میں چند مواقع ایسے ملتے ہیں جن پر حضورؐ کے قلب مبارک میں انسانی جذبات بے اختیار امڈے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں ایک موقع وہ ہے جب حضور ﷺ غزوۂ اُحد سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ پوری بستی عورتوں کے نوحے اور بین کی آواز سے گونج رہی ہے، اُس وقت حضور ﷺ کو بے اختیار اپنے عزیز اور محبوب چچا اور بچپن کے رفیق اور ساتھی بلکہ رضاعی بھائی حضرت حمزہؓ یاد آئے اور وفورِ جذبات میں یہ الفاظ آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکل گئے ''اما حمزۃ فلابواکی لہ!!'' آہ حمزہؓ کا رونے والا کوئی نہیں ......!! بالکل یہی حال آج اس دین کا ہے جو ''بڑی شان سے'' جزیرہ نمائے عرب سے نکلا تھا لیکن آج ایسا ''غریب الغرباء'' بن گیا ہے کہ اس کے لیے رونے والا کوئی نہ رہا۔ فرمانِ نبویؐ '' بدأ الاسلامُ غریبا و سیعودُ کما بدا '' تو مجسم اور متشکل نگاہوں کے سامنے موجود ہے لیکن آنکھیں اُن غرباء کو ترس رہی ہیں جو اس غربت اور اجنبیت کے دور میں اس غریب کے ہمدرد و مونس و غمخوار ہوں! ...... اور **فطوبیٰ للغرباء** کی نوید کے حق دار بن سکیں۔ یہ دین بیگانوں کی ناخوشی کا کیا شکوہ کرے جب کہ اس کے اپنوں کی خفگی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے قومی، ملکی مسائل میں ایسے گم ہیں کہ انہیں اس کی ہمدردی تک کا وقت نہیں ملتا اور اگر کبھی ان میں سے چند راہ رو چند قدم اس کے ساتھ چلتے بھی ہیں تو جلد ہی تھک ہار کر بیٹھ رہتے ہیں اور یہ پھر ویسے کا ویسا تنہا رہ جاتا ہے!! اگر میری اس تحریر کی اشاعت سے اس ''غریب الغرباء'' کے پرانے رفقائے سفر میں سے کچھ اس کی رفاقت پر از سرِ نو کمر ہمت کس لیں تو بس یہی اس کی اشاعت سے مطلوب ہے''!

(''تحریک جماعت اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ'' صفحات ۲۳، ۲۴)

''تحریک جماعت اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ'' کی اشاعت سے جماعت اسلامی سے علیحدگی اختیار کرنے والوں پر ایک نئی جماعت کی تشکیل کے حوالے سے دباؤ بڑھ گیا۔ لہٰذا ۸۱۔۹ ستمبر ۱۹۶۷ء کو ان میں سے تقریباً چالیس افراد کا رحیم یار خان میں اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں ایک نئی جماعت کے قیام کے لئے قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات منظور کی گئیں۔ (اس قرارداد تاسیس کو مع توضیحات ''تعارف تنظیم اسلامی'' کے عنوان سے کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اس جماعت کے لئے تنظیم اسلامی کا نام تجویز کیا لیکن اس پر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس اجلاس میں معاملات کو آگے بڑھانے کے لئے ایک سات رکنی مشاورتی میٹی تشکیل دی گئی لیکن افسوس کہ بوجوہ معاملہ آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے تنہا اجتماعیت کے قیام کا ارادہ کرلیا اور اپنے کام کے لئے لائحہ عمل کے طور پر ۱۹۶۷ء ہی میں ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء کتابچہ تحریر کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جو بھی دینی خدمت انجام دی وہ اسی کتابچہ کے مطابق انجام دی۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کے کام کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے اس کتابچہ کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۰ء تک جناب ڈاکٹر صاحب لاہور اور بعد ازاں کراچی میں باقاعدگی سے دروس قرآن دیتے رہے تاکہ نئی جماعت کی تشکیل کے لئے ایک حلقہ احباب میسر آ سکے۔ اس دوران ماہنامہ میثاق بھی باقاعدگی سے شائع کرتے رہے اور آپ نے اپنی اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی بعض تحریروں کو کتابی صورت میں شائع کیا۔ ۱۹۷۰ء کے اواخر میں آپ ماہ رمضان حجاز مقدس میں گزارنے کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے اور واپسی فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔ دورانِ حج آپ نے میڈیکل پریکٹس کو خیرباد کہنے اور بقیہ زندگی خالصتاً دین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

۱۹۷۲ء میں ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی نشر و اشاعت کے لئے ایک ادارہ

''مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور'' کے نام سے قائم کیا۔دو ہی سال بعد یعنی ۱۹۷۴ء میں آپ نے اقامتِ دین کی جدوجہد کے لئے ایک جماعت تنظیمِ اسلامی کے نام سے قائم کرنے کا اعلان کیا۔اس اعلان سے قبل مسلم ماڈل ہائی اسکول لاہور میں اکیس روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد کی گئی جس میں ڈاکٹر صاحب نے منتخب نصابِ قرآنی کا درس دیا۔تربیت گاہ کے اختتام پر ۲۱ جولائی ۱۹۷۴ء کو اختتامی خطاب میں آپ نے تنظیمِ اسلامی کے قیام کا اعلان کیا۔اس خطاب کے چند اہم حصے حسبِ ذیل ہیں

''لیکن اب بہت غور وفکر اور سوچ بچار کے بعد محض اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق پر توکّل واعتماد اور صرف اُسی کی امداد و اعانت کے سہارے اور بھروسے پر میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ میری زندگی میں یہ کام صرف درس وتدریس تک محدود نہیں رہے گا' بلکہ ان شاءاللہ العزیز احیائے اسلام اور غلبۂ دینِ حق ہی عملاً میری زندگی کا اصل مقصد ہوں گے اور میری بہتر اور بیشتر مساعی بالفعل دعوتِ دین اور خلقِ خدا پر دینِ حق کی جانب سے اتمامِ حجت میں صرف ہوں گی۔گویا ''اِنَّ صَلاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ '' اور اسی کی دعوت میں اپنے تمام عزیزوں' دوستوں اور تمام جاننے والوں حتیٰ کہ بزرگوں تک کو دوں گا اور پھر جو لوگ اس راستے پر ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوجائیں انہیں ایک نظم میں منسلک کرکے ایک ہیئتِ اجتماعیہ تشکیل دوں گا جو ان مقاصدِ عالیہ کے لئے منظم جدّ وجہد کرسکے! وَمَا تَوۡفِیۡقِیۡ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡم '' (''عزمِ تنظیم'' صفحہ ۱۰)

''اپنی جگہ خود میں آپ سب کو گواہ بنا کر عہد کرتا ہوں کہ میرا جینا اور مرنا اللہ کے دین ہی کے لئے ہوگا اور میں ہر حال میں دین کو دنیا پر مقدّم رکھتے ہوئے اپنے بہتر اور بیشتر اوقات اور اپنی بہتر اور بیشتر قوتیں جیسی کچھ اور جتنی کچھ وہ مجھ میں ہیں اور بیشتر صلاحیتیں جیسی کچھ اور جتنی کچھ وہ مجھے حاصل ہیں،فریضۂ شہادتِ حق کی ادائیگی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ اور غلبہ دینِ متین کی سعی و جہد کے لئے وقف کردوں گا۔گویا:﴿اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴾۔اللہ

تعالیٰ مجھے اپنے عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے' عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔" ("عزمِ تنظیم" صفحہ ۵۵'۵۶)

"آخر میں 'مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰهِ !" کے سوال پر اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں' اس وضاحت کے ساتھ کہ مجھے اس کا کوئی فوری جواب مطلوب نہیں۔ اگر صرف جذبات میں ہاں کرا لینے کی خواہش ہوتی تو شاید میں ابھی آپ سب کے ہاتھ کھڑے کرا لیتا۔ لیکن مطلوب اصل میں یہ ہے کہ جو آئے خوب سوچ سمجھ کر آئے۔ دل و دماغ کے متفقہ فیصلے کے بعد آئے اور پھر آئے تو تحفظات کے ساتھ نہ آئے بلکہ تن' من' دھن سب کے ساتھ آئے اور یہ اچھی طرح جان کر آئے کہ ؎

در رہِ منزلِ لیلےٰ کہ خطر ہاست بسے
شرطِ اوّل قدم ایں است کہ مجنوں باشی!"

("عزمِ تنظیم" صفحہ ۶۳۔۶۴)

۱۹۷۴ء کے اواخر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے ایک تحریر لکھی جس کا عنوان تھا:

"اُمّتِ مسلمہ کے دو عروج اور زوال، موجودہ احیائی مساعی کا اجمالی جائزہ اور تنظیمِ اسلامی کا محل و مقام۔"

اس تحریر کا اختتام آپ نے ان الفاظ پر کیا:

"جماعتِ اسلامی کے موقف میں تبدیلی اصولاً ۴۷ء ہی میں پیدا ہو گئی تھی' لیکن کم و بیش دس سال یہ اپنی قوت کے زور میں بڑھتی چلی گئی اور اس تبدیلی کا احساس بھی لوگوں کو نہیں ہوا۔ لیکن ۵۶۔۵۷ء میں جماعت میں اس احساس نے زور پکڑا اور طریقِ کار کے بارے میں ایک اختلافِ رائے ظاہر ہوا جس نے ایک ہنگامے کی صورت اختیار کر لی۔ نتیجتاً جماعت کے 'اکابر' کی اکثریت چند 'اصاغر' سمیت جماعت سے کٹ گئی۔ اُن 'اصاغر' میں سے ایک ان سطور کا راقم بھی ہے۔ بعد ازاں 'بڑے' تو اپنے اپنے 'بڑے' کاموں میں مشغول و مصروف ہو گئے لیکن یہ 'چھوٹا' ؎

"ایک بلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اس کے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک !"

کے مصداق اپنے دل و دماغ کو اس جنتِ گم گشتہ کے خیال سے فارغ نہ کر سکا، بلکہ جیسے جیسے دن بیتے اس کا حال یہ ہوتا چلا گیا کہ

تخم جس کا تُو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے یہ اُلفت اور مستحکم ہو گئی!

وہ جب جماعت سے علیٰحدہ ہوا اس کی عمر کُل پچیس برس تھی۔ بالکل نوعمری کا عالم' نہ علم نہ تجربہ' لٰہذا پورے دس برس اس نے اس انتظار میں بسر کیے کہ 'بڑوں' میں سے کوئی ہمّت کرے اور ازسرِ نَو سفر کا آغاز کر دے۔ لیکن اللہ کو یہ بھی منظور نہ ہوا تا آنکہ ۶۶۔۶۷ء میں اُس نے خود کمرِ ہمت کسی اور بمصداقِ الفاظ قرآنی ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ﴾ درسِ قرآن کی صورت میں ٹھیٹھ اسلامی دعوت کے لیے ذہنی و فکری سطح پر میدان ہموار کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اس کے کام کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ قبول عطا فرمایا اور چند ہی سالوں میں اس کے قائم کردہ 'حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن' کی کوکھ سے 'مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور' برآمد ہوگئی اور اب اس کے بھی دو ہی سال بعد وہ اسی ٹھیٹھ اصولی اسلامی تحریک کے احیاء کے لیے ''تنظیمِ اسلامی'' کے قیام کا ارادہ کر رہا ہے!

اسے خوب معلوم ہے کہ اس کے پاس نہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی سی عبقریت اور ذہانت و فطانت ہے' نہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی سی صلاحیتِ کار اور محنت و مشقت کا مادّہ۔ پھر نہ وہ شعلہ بیان خطیب ہے نہ صاحب طرز ادیب' بایں ہمہ ایک احساسِ فرض ہے جو چین نہیں لینے دیتا اور ایک عظیم تحریک کی امانت کے بار کا احساسِ گراں ہے جس نے اسے ؏ ''ہر چہ بادا باد، ما کشتی در آب انداختیم'' کے مصداق اس پُرخطر وادی میں کود پڑنے پر مجبور کر دیا ہے!

اب جو لوگ شخصیتوں اور جماعتوں کی سطح سے بلند تر ہو کر سوچنے اور غور و فکر کرنے کی ہمّت اور صلاحیت ہی سے عاری ہوں اُن کا معاملہ تو دوسرا ہے' البتہ وہ لوگ جو کسی تحریک کے بنیادی نظریات و مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے اپنے موقف پر نظرِ ثانی کی ہمّت کر سکیں' ان کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ انہیں چاہئے کہ ٹھنڈے دل کے ساتھ ہمارے موقف پر غور کریں اور اگر انہیں اس میں صحت و صداقت نظر آئے تو ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہوں اور کمرِ ہمت کسیں!

بہر حال اپنی حد تک ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ۔

در یں دریائے بے پایاں' دریں طوفان موج افزا
سر افگندیم ' بسم اللہ مجرھا و مرسٰھا!''

(''تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر'' صفحہ ۴۰۔۴۲)

۲۷۔ ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کو لاہور میں تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجتماع منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں ۱۰۳ حضرات شریک ہوئے جن میں سے ۶۲ نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ اس اجتماع میں ''تنظیم اسلامی کی قراردادِ تاسیس'' مع توضیحات منظور کی گئی، شرائط شمولیت اور عہد نامۂ رفاقت طے کیا گیا، تین سال کے عبوری دور کے لئے دستور طے کیا گیا اور عبوری دور کے لئے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو داعیٔ عمومی تسلیم کیا گیا۔ تین سال کے لئے عبوری دور طے کرنے کی حکمت یہ تھی کہ جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہونے والے اکابرین میں سے کوئی آ کر تنظیم اسلامی کی قیادت سنبھال لے۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

''رفیقو! سارا شکر' ساری تعریف اس اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے جس نے ہماری راہ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور ہم ہرگز راہ یاب نہ ہوتے اگر وہی اپنے کرم سے ہماری دستگیری نہ فرماتا۔ مجھے ہرگز توقع نہ تھی کہ مجھ جیسی شخصیت کی خشک دعوت اور جھڑکنے اور جھٹکنے والے انداز کے باوجود اللہ کے اتنے مخلص بندے تنظیم اسلامی کی رفاقت قبول کر لینے کے لئے جمع ہو جائیں گے۔ اس دعوت الی اللہ سے واقف ہونے سے قبل ہم میں سے اکثر کی دوسروں سے شناسائی نہیں تھی۔ ہم ایک دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے۔ ہماری دوستیاں اور قرابت داریاں بھی نہیں تھیں۔ ہم جمع ہوئے ہیں تو دعوت الی اللہ پر۔ کوئی دنیوی غرض ہمارے پیش نظر نہیں' کسی قسم کی سیاست بازی ہمیں مطلوب نہیں۔ دینی' سیاسی اور سماجی جماعتوں اور جمعیتوں کی طرح ہماری اس تنظیم میں نہ عہدے ہیں' نہ ووٹ ہیں' نہ مجلسِ شوریٰ کی رکنیت کے مواقع ہیں نہ مجلسِ انتظامیہ کے' نہ شہرت کے حصول کا کوئی موقع ہے' نہ وجاہت کا۔ ہم خالصتاً للہ اور فی اللہ جمع ہوئے ہیں۔ اللہ ہی کے لئے ہمارا اجڑنا ہے اور جس سے بھی ہم جڑیں گے اللہ ہی کے

لئے جڑیں گے۔ جس سے ہم اس وقت کٹ رہے ہیں' اللہ ہی کے لئے کٹ رہے ہیں اور آئندہ جس سے بھی ہم کٹیں گے اللہ ہی کے لئے کٹیں گے۔ جو کچھ ہم تنظیم کی مالی اعانت کریں گے وہ اللہ ہی کے لئے کریں گے اور جو کچھ کسی کو دیں گے اللہ ہی کے لئے دیں گے۔ ہمارا مقصد صرف رضائے الٰہی کا حصول اور نجاتِ اُخروی ہی ہمارا حقیقی نصب العین ہوگا۔ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اور اُسے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس دعوت الی اللہ اور تنظیم قائم کرنے میں فرض کی ادائیگی کی ذمہ داری اور رضائے الٰہی کے حصول کے سوا اور کوئی غرض میرے پیشِ نظر نہیں ہے۔ چنانچہ پورے احساسِ ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے ساتھ آپ سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے میں ''تنظیم اسلامی'' کا عہدِ رفاقت اُٹھاتا ہوں''۔

رَبَّنا تَقَبَّلْ مِنّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ٥ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ٥ اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا !

ڈاکٹر صاحب کے خطاب کے دوران اور اس کے بعد اجتماع کی کیفیت یہ تھی کہ:

''اُس وقت پورے اجتماع پر ایک گھمبیر خاموشی طاری تھی۔ تمام رفقاء کے چہرے تمتما رہے تھے اور اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ ان کے دلوں میں جذبات کا طوفان اُٹھ رہا ہے اور اُن کی آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں جن کو وہ ضبط کیے بیٹھے ہیں۔ تعارف کی تکمیل کے بعد داعی عمومی نے عہد نامۂ رفاقتِ تنظیم اسلامی کی ایک ایک شق کو پڑھنا شروع کیا اور تمام رفقاء اس کو دہراتے رہے۔ اس موقع پر اکثر رفقاء کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر تھیں۔ اکثر کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ اللہ کے بندے رضائے الٰہی کے لیے دعوتِ تجدیدِ ایمان' توبہ اور تجدیدِ عہد کے قافلہ کے رفیق بن رہے تھے''۔

اگست ۱۹۷۷ء تک انتظار کیا گیا کہ اکابرین میں سے کوئی آ کر تنظیم اسلامی کی امارت پر فائز ہو لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ ۵ تا ۱۱ اگست ۱۹۷۷ء کے دوران لاہور میں تنظیم اسلامی کا خصوصی اجتماع ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب نے تنظیم کی امارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس اجتماع میں بیعت سمع وطاعت فی المعروف کو تنظیم اسلامی کی ہیئتِ اجتماعی

کی اساس بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۸۵ء میں جب تنظیم اسلامی کی تاسیس کو دس سال مکمل ہوئے، محترم ڈاکٹر صاحب نے وسعتِ قلبی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ ایک سو کے قریب علمائے کرام کو دعوت دی گئی کہ وہ ۲۳ تا ۲۸ مارچ منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے دسویں سالانہ اجتماع میں تشریف لائیں اور ڈاکٹر صاحب کے بیان کردہ تصورِ فرائضِ دینی پر رفقائے تنظیم کے سامنے تبصرہ کریں۔ اس سب کا مقصد یہ تھا کہ رفقاءِ تنظیم اپنے اختیار کردہ تصورِ فرائضِ دینی پر تنقیدی تبصرہ سنیں' تنقید پر غور کریں' کہیں اصلاح کی ضرورت محسوس ہو تو اصلاح کرلیں اور پھر تصورِ فرائضِ دینی کو پورے انشراح وشعور سے قبول کریں۔ چوبیس علمائے کرام نے دعوت قبول کی اور بنفسِ نفیس اجتماع میں تشریف لائے۔ ان میں سے بیس کا تعلق پاکستان سے تھا اور چار کا ہندوستان سے۔ ایک عالمِ دین نے اپنے تبصرے کی ریکارڈنگ بذریعہ 'آڈیو کیسٹ ارسال فرمائی۔

چھ دن کے اجتماع میں علمائے کرام نے ڈاکٹر صاحب کے دینی فکر سے اتفاق بھی کیا، اختلاف بھی کیا، تنقید بھی کی اور طنز بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بطورِ سامع علمائے کرام کے ارشادات سنے اور رفقائے تنظیم نے بھی اختلافِ رائے کو خندہ پیشانی سے سنا۔ اکثر علمائے کرام نے برملا اعتراف کیا کہ:

> ''اپنے پلیٹ فارم پر اور اپنے رفقاء کے سامنے اپنے تصورات پر تنقید کا موقع فراہم کرنا وسعتِ قلبی کی وہ اعلیٰ مثال ہے جس کی نظیر معلوم تاریخ میں نہیں ملتی''۔ (ان محاضرات کی تفصیل ڈاکٹر صاحب کی تصنیف جماعتِ شیخ الہند اور تنظیم اسلامی کے صفحات ۱۰۳ تا ۱۶۱ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

۱۹۸۶ء میں تمام رفقائے تنظیم اسلامی کو تحریری صورت میں تجدیدِ بیعت کی دعوت دی گئی تاکہ جو بھی تنظیم میں رہنا چاہے وہ شعوری طور پر رہے۔

۱۹۸۸ء میں تنظیم میں نظم کی پابندی کو سخت کیا گیا۔ خوگرِ نظم ہونے کے اعتبار سے رفقاء کی مبتدی و منتظم کے اعتبار سے درجہ بندی کی گئی اور مبتدی و منتظم رفقاء کے لئے

علیحدہ علیحدہ تربیتی نصاب مرتب کیا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں چودھویں سالانہ اجتماع کے موقع پر رفقاء کے لئے تربیت گاہیں (Training Camps) منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۱۹۹۰ء میں پندرھویں سالانہ اجتماع کے دوران پاکستان میں حلقہ جات قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی سال تنظیمِ اسلامی کا نظام العمل مرتب کیا گیا اور ''منتظم'' رفیق کے لئے ''ملتزم'' رفیق کی اصطلاح وضع کی گئی۔

۱۹۹۵ء میں جب تنظیمِ اسلامی کی تاسیس کو بیس سال مکمل ہوئے' محترم ڈاکٹر صاحب نے تنظیمِ اسلامی کی آئندہ قیادت کے لئے مشاورت کا آغاز کیا۔ اس سلسلہ میں دو تا چار اپریل ۱۹۹۵ء کے دوران تنظیم کے ملتزم رفقاء کا پہلا مشاورتی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس اجتماع میں تین مسائل پر مشاورت کی گئی:

۱) ڈاکٹر صاحب کے بعد تنظیم کا نظم بیعت کی اساس پر ہی رکھا جائے یا دستوری بنیاد پر۔ ۳۱۰ میں سے ۲۸۴ رفقاء نے رائے دی کہ بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف کی اساس ہی کو برقرار رکھا جائے۔

۲) آئندہ امیر کو ڈاکٹر صاحب نامزد فرمائیں یا ڈاکٹر صاحب کے بعد شوریٰ نئے امیر کا انتخاب کرے۔ ۳۱۲ میں سے ۲۸۴ رفقاء نے رائے دی کہ آئندہ امیر کو ڈاکٹر صاحب نامزد فرمائیں۔

۳) اگر ڈاکٹر صاحب آئندہ امیر کو نامزد کریں تو آیا اعلان کردیں یا خفیہ وصیت کر جائیں۔ ۱۶۷ رفقاء نے رائے دی کہ ڈاکٹر صاحب اعلان کریں اور ۱۰۷ رفقاء کی رائے تھی کہ ڈاکٹر صاحب وصیت کر جائیں۔

اگست ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کیا کہ وہ آئندہ امیر کا نام وصیت کے طور پر تحریر کریں گے۔

۱۹ تا ۲۲ /اپریل ۱۹۹۶ء تنظیم کی آئندہ قیادت کے بارے میں غور و فکر کے لئے ملتزم رفقاء کا دوسرا مشاورتی اجتماع منعقد کیا گیا۔ اس اجتماع میں سابقہ اجتماع کے آخری دو مسائل پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔

۲۱ تا ۲۴ اپریل ۱۹۹۷ء اس سلسلہ کا تیسرا مشاورتی اجتماع منعقد کیا گیا۔ رفقاء کی اکثریت نے رائے دی کہ ڈاکٹر صاحب آئندہ امیر کے نام کا اعلان کر دیں۔ اسی سال ۲۶ / اکتوبر تا یکم نومبر ملتزم رفقاء کا چوتھا مشاورتی اجتماع منعقد کیا گیا۔ خفیہ رائے دہی کی بنیاد پر رفقاء سے آئندہ امیر کے بارے میں رائے دریافت کی گئی۔ جن رفقاء کے نام آئندہ امیر کے طور پر آئے ان میں سے پہلے چھ حضرات کے نام حروفِ تہجی کے اعتبار سے حسبِ ذیل تھے:

۱- چودھری رحمت اللہ بٹر صاحب ۲- حافظ عاکف سعید صاحب

۳- ڈاکٹر عبدالخالق صاحب ۴- عبدالرزاق صاحب

۵- ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب ۶- مختار حسین فاروقی صاحب

اجتماع کے دوران ان حضرات کو اپنا ذاتی اور تنظیمی تعارف کرانے اور تنظیم کے مستقبل کے حوالے سے اپنا لائحۂ عمل بیان کرنے کا موقع دیا گیا۔ اس کے بعد رفقاء سے رائے طلب کی گئی کہ وہ ان چھ حضرات میں سے کس کا نام آئندہ امیر کے طور پر تجویز کرتے ہیں؟

بعد ازاں کئی حضرات نے بالمشافہ ملاقاتوں کے ذریعہ یا بذریعۂ خطوط ڈاکٹر صاحب کو آئندہ امیر کے حوالے سے اپنی آراء سے آگاہ کیا۔ جنوری ۱۹۹۸ء میں رمضان المبارک کے پہلے عشرے یعنی عشرۂ رحمت میں استخارہ کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب نے آئندہ امیر کے بارے میں فیصلہ کیا۔ اسی سال ۱۴ فروری کو ڈاکٹر صاحب نے لاہور میں تنظیم اسلامی کے ذمہ دار حضرات کے اجتماع میں، ایک خصوصی خطاب کے دوران حافظ عاکف سعید صاحب کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:

> ''اپنے بیٹے کو جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ ایک مشکل فیصلہ تھا۔ بہت سے لوگ شاید میری نیت پر شبہ کریں لیکن نیتوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ زندگی میں اگر کسی داعی کی اولاد اس کے مشن میں ساتھ ہو تو اسے داعی کے لئے اعزاز سمجھا

جاتا ہے لیکن اگر داعی اپنی اولاد میں سے کسی کو کسی منصب پر فائز کر دے تو لوگ شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اب اگر لوگوں کے خوف کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ممکن ہے اولاد کے ساتھ عدل کا معاملہ نہ ہو یا تنظیم کا مفاد متاثر ہو۔ میں نے حافظ عاکف سعید صاحب کو درج ذیل وجوہات کے پیشِ نظر جانشین مقرر کیا ہے:

۱) وہ تنظیم اسلامی کے تاسیسی رفیق ہیں، یعنی ۱۹۷۵ء میں ان ۶۲ رفقاء میں شامل تھے جنہوں نے عہدِ رفاقت کر کے تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اس وقت عاکف سعید صاحب کی عمر محض ۱۷ برس تھی۔

۲) عاکف صاحب کے ذہن میں میرا دینی وعمرانی فکر راسخ ہو چکا ہے جس کا اظہار ان کی بحیثیتِ مدیر ماہنامہ میثاق' ماہنامہ حکمتِ قرآن اور ہفت روزہ ندائے خلافت میں لکھی جانے والی تحریروں سے ہوتا ہے۔

۳) عاکف صاحب نے قرآن اکیڈمی فیلوشپ اسکیم کے لئے خود کو پیش کیا اور تین سالہ قرآن فہمی کورس کی تکمیل کی۔ وہ تنظیم کے نمایاں مدرّسین میں سے ہیں اور کئی بار رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمۂ قرآن کر چکے ہیں۔

۴) عاکف صاحب حافظ قرآن ہیں اور انہوں نے حفظِ قرآن اپنے ذاتی ذوق وشوق سے کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خوش الحان قاری بھی ہیں۔

تنظیمِ اسلامی کے ۹ء۹۹ فیصد رفقاء نے ڈاکٹر صاحب کے فیصلہ کا خیر مقدم کیا' کیونکہ وہ سب ڈاکٹر صاحب کے خلوص اور عاکف صاحب کی صلاحیتوں کے معترف تھے۔

۱۶ ستمبر ۲۰۰۲ء کو ڈاکٹر صاحب نے تنظیمِ اسلامی کی امارت سے استعفا دے دیا اور حافظ عاکف سعید صاحب کے ہاتھ پر سب سے پہلے خود بیعت کی۔

تنظیمِ اسلامی کے نئے امیر جناب حافظ عاکف سعید صاحب کا تعارف حسب ذیل ہے:

تاریخِ پیدائش : ۱۱ جنوری ۱۹۵۸ء (ساہیوال)

میٹرک	: ۱۹۷۳ء لاہور بورڈ سے امتیازی پوزیشن کے ساتھ (گورنمنٹ سنٹرل ماڈل ہائی اسکول لاہور)
گریجویشن	: ۱۹۷۷ء (گورنمنٹ کالج لاہور)
ایم اے (فلسفہ)	: ۱۹۸۰ء پنجاب یونیورسٹی
حفظ قرآن	: کالج ایجوکیشن کے دوران (۷۴ء تا ۷۷ء)
علوم دینیہ کی تحصیل	: تین سالہ کورس' قرآن اکیڈمی لاہور
تنظیم سے وابستگی	: بموقع تاسیسی اجلاس ۱۹۷۵ء
قرآن اکیڈمی سے وابستگی	: ☆ بطور فیلو آف اکیڈمی (۱۹۸۲ء)
	☆ ادارت ماہنامہ میثاق' حکمتِ قرآن (۱۹۸۳ء)
	☆ مدیر اکیڈمک ونگ (۱۹۸۵ء)
	☆ مدیر ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' (۱۹۹۵ء)
تنظیمی ذمہ داریاں	: ناظم شعبہ نشر و اشاعت (۱۹۹۰ء)
	تقرری بطور نائب امیر (۱۹۹۹ء)

الحمد للہ! تنظیمِ اسلامی کے رفقاء کی اکثریت تعلیم یافتہ اور سوچنے سمجھنے والے باشعور افراد پر مشتمل ہے جن کی سوچ اور اظہارِ آزادیٔ رائے پر کوئی پابندی نہیں۔ ایسے افراد کی جماعت کی امارت پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ عاکف سعید صاحب کی اپنی قدرتِ خاص سے مدد فرمائے اور ہمیں پورے خلوص کے ساتھ خدمتِ دین کے مشن میں اُن کا ساتھ دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین!

ضرورت رشتہ

تحریکی ذہن رکھنے والے ایک اہل قلم عالم دین کی بیٹی کے لئے دینی گھرانے سے تعلق رکھنے والے نوجوان کا رشتہ درکار ہے۔ بچی کی عمر ۲۲ سال' فاضل عربی اور درس نظامی سے فارغ التحصیل ہے۔ امسال وفاق المدارس السّلفیہ کا امتحان دے رہی ہے۔

برائے رابطہ: خالد محمود خضر پوسٹ بکس 5166 ماڈل ٹاؤن لاہور

متحدہ مجلس عمل کفر سے مفاہمت کا راستہ اختیار نہ کرے

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۵ راکتوبر کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز

وطن عزیز پاکستان کے تازہ سیاسی منظرنامے کی رو سے مرکز میں مسلم لیگ (ق) اور پیپلز پارٹی کی مشترکہ حکومت بننے کا زیادہ امکان ہے' کیونکہ یہ دونوں جماعتیں امریکہ کے حوالے سے مشرف حکومت کی پالیسی پر پوری طرح متفق ہیں۔ تاہم اس ضمن میں تشویشناک بات یہ ہے کہ متحدہ مجلس عمل بھی لیلائے اقتدار تک رسائی کے لئے کفر کے ساتھ مصالحت کی راہ اختیار کرنے پر آمادہ نظر آتی ہے' جبکہ دین اسلام میں کفر سے مفاہمت اور مداہنت کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔ متحدہ مجلس عمل کے قائدین کا غیر ملکی سفیروں کی کانفرنس کے دوران خواتین' غیر مسلموں اور مخلوط تعلیم کے بارے میں یہ تاثر دینا کہ ان معاملات میں مغربی تہذیب اور اقدار سے ہم آہنگی اختیار کی جائے گی' نا قابل فہم ہے۔ اسی طرح دینی جماعتوں کے رہنماؤں نے تمام بیرونی معاہدوں کو برقرار رکھنے کی یقین دہانی بھی کرائی ہے۔ اگر متحدہ مجلس عمل نے دوسرے سیکولر عناصر کی طرح اسلام کو مغرب کے لئے قابل قبول بنانے کی غرض سے اللہ اور رسول کے احکامات کی کانٹ چھانٹ شروع کر دی تو ان کا اقتدار میں آنا بڑے گھاٹے کا سودا ہوگا' کیونکہ امریکہ کو جو اسلام قبول ہے اس کی حد تک تو سیکولر سیاسی جماعتیں بھی اسلام کی منکر نہیں۔ ان دینی رہنماؤں کو حق بات کہنے سے نہیں ڈرنا چاہئے اور اسلام کے ضمن میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کرنا چاہئے' کیونکہ از روئے قرآن یہود و نصاریٰ یعنی امریکہ اور اس کے حواری اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک تہذیب و تمدن اور دین و مذہب ہر اعتبار سے ان کی پیروی اختیار نہ کر لی جائے۔

متحدہ مجلس عمل کو مرکز میں حکومت سازی کا خیال دل سے نکال کر صوبہ سرحد میں تشکیل حکومت کے بعد اولاً معاشرتی سطح پر اسلامی احکامات کی تنفیذ کو یقینی بنانا چاہئے۔ اس ضمن میں مرد و زن کے الگ الگ دائرہ کار کے تعین کے ساتھ ستر و حجاب اور خاندانی نظام کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو فروغ دینا چاہئے۔ اگر اسلام کے نظام اجتماعی کی یہ

پہلی منزل مضبوط اور سیدھی ہوگی تو اس پر معاشی اور سیاسی نظام کی باقی دو منزلوں کا قیام آسان ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ سیرتِ طیبہؐ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی موقع پر نظام کفر سے مفاہمت اختیار نہیں کی اور قرآن میں بھی نہ صرف کفر سے مداہنت کی سختی سے ممانعت آئی ہے بلکہ اس پر شدید عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ لہٰذا متحدہ مجلس عمل کے قائدین کو مغرب کے دباؤ پر اپنے موقف میں لچک کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، مبادا اللہ کی طرف سے سخت عذاب کا فیصلہ ہو جائے۔

پریس کلب لاہور کے باہر ۲۷؍ اکتوبر کو
ڈاکٹر عامر عزیز کی گرفتاری کے خلاف احتجاجی مظاہرہ

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید نے ڈاکٹر عامر عزیز کی غیر قانونی گرفتاری کے خلاف پریس کلب کے باہر مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے حکمرانوں نے قوم کی آزادی و خودمختاری امریکہ کے پاس گروی رکھ دی ہے اور امریکہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے انہیں استعمال کر رہا ہے۔ چنانچہ آج پاکستان کا ہر شہری یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ کیا ہم اپنے ملک میں آزاد اور خودمختار ہیں؟ اور پاکستان کے حاکم کون ہیں، پاکستانی فوج یا ایف بی آئی؟ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ڈاکٹر عامر عزیز مسیحا ہیں دہشت گرد نہیں۔ انہوں نے حکمرانوں سے سوال کیا کہ کیا مریضوں کا علاج کرنا جرم ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس واقعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم آزاد ملک کے شہری نہیں بلکہ امریکہ کی عیسائی ریاست کے مسلمان شہری ہیں۔ حافظ عاکف سعید نے کہا کہ قرآن نے چودہ سو برس پہلے ہمیں بتا دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے اور وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک مسلمان اپنے تہذیب و تمدن اور دین و مذہب کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طور طریقوں کو اختیار نہیں کر لیتے۔ انہوں نے کہا کہ ''سب سے پہلے اسلام'' کے بجائے ''سب سے پہلے پاکستان'' کا نعرہ لگانے والے اب ''سب سے پہلے ایف بی آئی'' کا لائحہ عمل اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ گویا قومی سطح پر دین و دنیا دونوں کا خسارا ہمارا مقدر بن چکا ہے۔

خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہماری دینی غیرت اور حمیت کا تقاضا ہے کہ پاک سرزمین پر کبھی کوئی غیر ملکی فوجی ہرگز نہ ہو اور ایف بی آئی کا عمل دخل مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ پاک سرحدوں کی حفاظت کا دعویٰ کرنے والے جرنیل اب امریکہ کے سامنے بھیگی بلی کیوں بنے ہوئے ہیں؟ حکمرانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ امریکہ کی غلامی کبھی کسی کو راس نہیں آئی اور جو حکمران اپنے قوم و ملک سے مخلص نہ ہوں تاریخ انہیں اچھے الفاظ سے یاد نہیں کرتی۔ انہوں نے حکمرانوں کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ دشمن ہمیشہ داخلی ایجنٹوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ٹشو پیپر کے طور پر استعمال کرتا ہے لہٰذا انہیں علم ہونا چاہیے کہ ان کے آج کے دوست کل ان کے بدترین دشمن ثابت ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ عافیت کا راستہ یہی ہے کہ اسلام اور پاکستان کا مفاد بالاتر اور مقدم رکھا جائے وگرنہ وہ عبرت ناک انجام سے دوچار ہوں گے۔

خوش خبری : فہمِ قرآن میں اضافے کے لیے فنی کتاب

'قواعدِ زبانِ قرآن' کا دوسرا حصہ شائع ہو گیا ہے

صفحات 948 ، رعایتی قیمت 300 + ڈاک خرچ 50 = کل قیمت 350 روپے

حصہ اول اور حصہ دوم دونوں کی کل رعایتی قیمت مع ڈاک خرچ = 650 روپے

نئے ایڈیشن اور نئی کتابوں کی رعایتی قیمتیں

1	قواعد زبان قرآن حصہ اول (تیسرا ایڈیشن)	خلیل الرحمن چشتی	250 روپے
2	قواعد زبان قرآن (حصہ دوم)	خلیل الرحمن چشتی	300 روپے
3	اسلامی تربیت گاہیں	محمد خان منہاس ، چشتی	40 روپے
4	تزکیہ نفس ، مفہوم ، ماہیت اور عملی تدبیریں	محمد خان منہاس ، چشتی	50 روپے

تیرہ (13) کتابوں کے مکمل سیٹ کی قیمت مع ڈاک خرچ -/905 روپے ہے
کتابیں وی ۔ پی نہیں کی جائیں گی ۔ منی آرڈر یا ڈرافٹ پہلے آنا لازمی ہے۔

الفوز اکیڈمی ، اسلام آباد
Fax : 051 - 22 54 139

317, Street 16, F-10/2, Islamabad
Tel: 051- 22 51 933